قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟

مولانا عبیداللہ سندھی

قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟

● طبع اول اگست ۱۹۵۹

● تعداد ایک ہزار

● قیمت -/۸/۱

● ناشر عبدالغفور ایم اے

● طابع نقوش پریس لاہور

● آرٹسٹ جالی

ناشر
پرانی انارکلی لاہور



نام : عبیداللہ

تاریخ پیدائش : ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء

مقام پیدائش : سیالکوٹ

تاریخ وفات : ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء

حالات زندگی : طبعاً انقلاب پسند ہونے کے باعث آبائی (سکھ) مذہب کو خیر باد کہکر ۱۶ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا ۔

دیو بند سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت مولانا محمودالحسن کی رہنمائی میں کام کرتے رہے ۔

۱۹۱۵ء میں استاد مکرم کے ارشاد پر کابل گئے ، وہاں پہنچ کر امیر حبیب اللہ کی حکومت اور اسکے بعد آنے والے انقلاب میں نمایاں حصہ لیا ۔

۱۹۲۲ء میں دورۂ ترکی کی غرض سے ماسکو گئے اور وہاں سوشلسٹ انقلاب کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ۔ پھر ترکی پہنچ کر کمال اتا ترک کے انقلاب کا بغور جائزہ لیا ۔ بعد ازاں حجاز

مقدس میں بارہ برس تک قیام کے دوران میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار و نظریات کی روشنی میں اپنے انقلابی اصولوں کی تکمیل کی اور قرآن مجید کی تعلیمات کو ایک سچے طالب علم کی طرح از سر نو سمجھنے کی کوشش کی اور قرآن حکیم کی تفسیر پر انقلابی نقطۂ نگاہ سے نظر ثانی کی، پھر آزادیٔ ہند کا ایک عملی پروگرام بھی وضع کیا۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو آپ ہندوستان واپس آئے اور زندگی کے بقیہ ایام شاہ ولی اللہ کے افکار اور اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دئے - در اصل تعلیمات قرآنی کی درس و تدریس ہی مولانا موصوف کی زندگی کا ماحصل ہے، کیونکہ قرآن پاک کو وہ مسلمانوں کی دنیوی و دینی کامیابیوں کا اولین اور آخری وسیلہ سمجھتے تھے - مولانا کے افکار و خیالات کو بالخصوص سندھ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور آج بھی وہاں ان کے ہزاروں لاکھوں مرید موجود ہیں -

مولانا موصوف کی زندگی ایک سچے مسلمان اور انقلابی کی زندگی ہے، جس کی راہ میں مصائب و مشکلات کے پہاڑ قدم قدم پر ٹوٹے پڑتے ہیں مگر جو اعتراف شکست کی قائل نہیں، جو نبرد آزما ہوتی ہے اور فتحمند بھی، جو منزل کی نشاندھی بھی کرتی ہے اور منزل کی جانب بڑھنے کے حوصلے بھی عطا کرتی ہے -

ترتیب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

پیش لفظ

میرے بچپن کا ایک ناخوشگوار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز انسپکٹر آف سکولز معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ پہلی عالمگیر جنگ کا زمانہ تھا۔ ہمارا سکول نیا نیا پرائمری سے ورنیکلر مڈل کے درجہ کو پہنچا تھا۔ اسلامیہ سکول میں ایک مسلمان انسپکٹر کی تشریف آوری سے طلباء، اساتذہ اور کارکنانِ مدرسہ کے دلوں میں خوف و مسرت کا ایک ملا جلا جذبہ موجزن تھا۔ حسبِ پروگرام معائنہ سے پہلے ایک طالب العلم نے اقبال کا قومی ترانہ پڑھنا شروع کیا۔ ادھر وہ پڑھ رہا تھا ع چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا۔ ادھر انسپکٹر صاحب کا چہرہ غضب آلود ہو رہا تھا۔ جب پہلا شعر ختم ہوا تو انسپکٹر صاحب انتہائی برافروختگی سے سب پر برس پڑے اور فرمانے لگے "چین عرب اور ہندوستان کہاں تمہارا ہے؟" وغیرہ وغیرہ۔ اور ترانہ پہلے شعر

پر ہی ختم ہو گیا۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہی سمجھا گیا کہ انسپکٹر صاحب کی برہمی و برافروختگی شاید حکومت کے خوف یا خیر خواہی کی وجہ سے تھی۔

اسی زمانے کا ایک خوشگوار واقعہ یہ ہے کہ معائنہ مذکورہ کے بعد غالباً اسی سال حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تشریف لائے۔ دلیہ ادب پر نظر پڑی نو اقبالؒ کا قومی ترانہ سامنے تھا۔ مجھے سنانے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا، کہ میں گلانے کا عادی نہیں۔ فرمانے لگے کہ تحت اللفظ ہی پڑھو۔ ادھر میں نے پہلا شعر ختم کیا۔ ادھر حضرت مولانا پنسل منہ میں دبائے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر ایک عالم استغراق میں میز پر جھک گئے۔ میں یہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ قریباً پندرہ منٹ کے بعد آپ نے سر اٹھایا۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ سب پر ایک رقت کا عالم طاری تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا مرحوم و مغفور نے قومی ترانہ پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

مندرجہ بالا واقعات کا لقابل تمہید ہے اس پس منظر کی جو میں رسالہ ہذا کے متعلق پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ رسالہ دراصل مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا خطبۂ صدارت ہے جو ۱۹۱۴ء میں (جیسا کہ خطبہ کے خاتمہ سے ظاہر ہے) آپ نے غالباً آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی میں پڑھا۔ چونکہ مطبوعہ خطبہ دستیاب نہ تھا

اس لئے ایک نقل شدہ کاپی سے اسی زمانہ میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔
میں نے دو نقلیں کیں۔ ایک استاذی المکرم مولانا نور الحق مرحوم پروفیسر اورنیٹل
کالج لاہور کے لئے اور ایک اپنے لئے مختلف وجوہات اور گوناگوں حالات
نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ ان بیش قیمت اور معلومات افزا خیالات
کو جو اس خطبہ میں پیش کئے گئے ہیں اس سے پہلے کسی نہ کسی صورت میں پبلک
کے سامنے پیش کرتا، لیکن اب میں نے محسوس کیا ہے کہ مزید تاخیر ٹھیک
نہیں ہے۔ پاکستان کا ہر طبقہ ایک اسلامی آئین کا مطالبہ کر رہا ہے۔
اور اس آئین کی ترتیب و تدوین کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمارے آئین
کی بنیاد قرآن اور حدیث پر رکھی جائے گی۔ اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن
کی تعلیم کا کیا اثر ہے مختلف ادوار کے مسلمانوں نے قرآن کو کس طرح پڑھا
اور سمجھا اس کو غلط طریقے سے پڑھنے اور سمجھنے سے کیا برے نتائج پیدا
ہوتے ہیں اور اس کو صحیح طریقے سے پڑھنے اور سمجھنے سے کتنے خوشگوار
اور مفید نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے اس پہلو پر نہایت شرح و
بسط سے بحث کی ہے اندریں حالات یہ ضروری ہے کہ جب ملکی آئین قرآنی
تعلیم کی روشنی میں مرتب کیا جائے تو قرآن کا صحیح طریقہ تعلیم پیش نظر رکھا جائے

یعنی وہ طریقہ جو قرونِ اوّلے کے مسلمانوں نے اختیار کیا، اور جس کے نتائج اتنے اہم اور مہتم بالشان تھے کہ (بقول مولانا مرحوم) چند سال کے عرصہ میں عرب کے بُت پرست جاہل لوگ دُنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست، سب سے زیادہ متمدّن، سب سے زیادہ تہذیب یافتہ اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے، اور بقول سر ولیم میور اگر مسلمانوں میں ایک عمرؓ اور ہوتا تو ساری دُنیا میں اسلام پھیل جاتا، اور جو ایک عمرؓ ہُوا، وہ فاروق اعظم اسی لئے ہُوا کہ اُس نے اڑھائی پاروں کی سورۂ بقرہ جو آئین اور نظم ونسق کا پُورا ضابطہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُورے دس سال میں پڑھی پھر جو کچھ حاصل کیا۔ اس کی خوشی میں سو اونٹوں کی قربانی دی۔

مجھے انتہائی خوشی ہے کہ "ناشرین" نے اس خطبہ کی اشاعت کا ذمہ اُٹھایا ہے۔ خدا اُن کے ارادوں میں برکت دے اور ان کے حوصلوں کو بلند کرے۔

احقر

عطاء الرحمن عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

قرآن مجید کی تعلیم کا اثر

وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین۔

گذشتہ کانفرنس منعقدہ آگرہ میں خاکسار نے ایک مضمون پڑھا تھا جس میں زیادہ تر ان دو امور پر بحث کی گئی تھی کہ ہماری قوم کے جدید طبقے میں مذہبی تعلیم کی کس حد تک ضرورت ہے اور اس طبقے کی مذہبی تعلیم کے لئے کس قسم کے مضمون کی ضرورت ہے۔

[1] اس مرتبہ میں قرآن مجید کے متعلق اپنی ناچیز رائے عرض کروں گا۔ یہ فقط قرآن مجید کی تعلیم کا اثر تھا کہ چند سال کے عرصہ میں عرب کے بت پرست اور جاہل لوگ دنیا میں سب سے زیادہ خدا پرست سب سے زیادہ متمدن سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ طاقتور بن گئے۔

اسی قرآن کی تعلیم نے ان میں نہایت جلد ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کر دیئے

کہ اگر ایک طرف چند سال کے عرصہ میں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں
نے متفقہ طور سے ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا تھا۔ تو دوسری طرف
وہ سب سے زیادہ خدا پرست بن گئے۔ جنگ قادسیہ کے موقعہ پر جو ۱۵ھ
میں ہوئی تھی۔ ایک ایرانی جرنیل نے کہا تھا۔ کہ ہم ان لوگوں سے مقابلہ
نہیں کر سکتے۔ یہ رات کو فرشتے ہوتے ہیں۔ اور دن میں شیر۔

اس تعلیم کے نتائج ظاہر ہونے سے پیشتر عربوں کی جو حالت تھی۔
اس کا اندازہ ایران کے شاہنشاہ یزدجرد کے ان خیالات سے ہو سکتا ہے۔
جس کا اظہار فردوسی نے اس طرح کیا ہے ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

دنیا میں وہی حکومت کرتے ہیں۔ جن کے اخلاق بہتر ہوتے ہیں۔ قرآن
کی تعلیم نے ان اونٹ چرانے والے عربوں کو نہایت جلد ایسے اخلاق سے
مزین کر دیا۔ کہ ایران تو ایران رہا۔ وہ تقریباً تمام دنیا کے مالک بن گئے۔
خدا کے احکام کی تعمیل کے لئے وقت اور مال کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔
نہایت خوشی سے جان دینا بہترین کامیابی سمجھنے لگے۔ مثالاً دو واقعات

پیش کرتا ہوں۔

(۱) عن انسؓ قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم خالي حراما في سبعين راكبا فلما قدموا قال لهم خالي ۔ اتقدمكم فان امنوني حتى ابلّغهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ والا كنتم مني قريبا۔ فتقدم ۔ فامنوه ۔ فبينما هو يحدثهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى رجل منهم فطعنه ۔ فاومئوا فقال الله اكبر فزت بربّ الكعبة

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ماموں حرام کو ستر سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ پس پھر وہ پہنچے تو میرے ماموں نے ان سے کہا۔ کہ میں تم سے پہلے جاتا ہوں۔ اور اگر انہوں نے مجھے امان دی کہ میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہونچا دوں۔ تو خیر۔ ورنہ تم میری مدد کے لئے قریب ہو جانا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے۔ اور انہوں نے ان کو پوری امان دے دی۔ لیکن جس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہونچا رہے تھے۔ تو ان لوگوں نے اپنے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا۔ تو اس نے ان کے ایک نیزہ مارا۔ وہ نیزہ ان کے جسم کے پار ہو گیا۔ اس پر میرے ماموں نے کہا۔ اللہ اکبر۔ کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

(۲) حضرت خبیبؓ کا واقعہ بخاری اور ابوداؤد میں مذکور ہے۔ کہ جس وقت آپ کو حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد نے شہید کیا تو آپ نے یہ شعر پڑھے۔

فلست ابالی حین اقتل مسلما　　علی ای شق کان للّٰہ مصرعی

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

جب کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں۔ تو مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ کے راستے میں کس پہلو پر گرتا ہوں۔ اور یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ کہ اگر وہ چاہے۔ تو انہیں جدا جدا ہوئے اعضاء کے جوڑوں میں برکت پیدا کر دیگا۔ (ممکن ہے۔یہی کچھ کام کر جائیں)

عقلمند لوگوں نے اس تعلیم کے ظاہری نتائج پیدا ہونے سے پیشتر ہی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ تعلیم یقیناً ایسے کامل ترین اخلاق پیدا کرنے والی ہے۔ کہ جن لوگوں پر اس کا اثر ہوگا۔ خواہ وہ کیسے ہی غیر مہذب اور جاہل کیوں نہ ہوں۔ نہایت جلد دنیا میں بہترین اور قوی ترین بن جائیں گے۔

ہرقل کی دعوت کا واقعہ

چنانچہ ۶ھ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کو بذریعہ خط وکتابت دعوت اسلام دی۔ تو اس نے ابوسفیان کو جو اتفاقاً اسوقت روم ہی میں تھا۔ بلاکر اسلامی تعلیمات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے۔ حالات معلوم ہونے کے بعد ہرقل نے یہ الفاظ کہے۔

اِنْ یَكُ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَاِنَّهٗ نَبِیٌّ وَلَیَبْلُغَنَّ مُلْكُهٗ مَا تَحْتَ قَدَمِیْ

جو کچھ تم کہتے ہو اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً نبی ہے۔ اور اسکی سلطنت ضرور میرے قدموں کے نیچے کی زمین تک پہونچے گی۔

ہرقل کی یہ رائے بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور یہی تعلیم آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ مگر آج ہم نہایت خراب حالت میں ہیں۔ تمام دنیا میں مسلمان نہایت پست اور کمزور ہیں۔ اور ان کی اخلاقی اور روحانی حالت نہایت تیزی سے تنزل کر رہی ہے۔ یہ نہایت عجیب اور حیرت انگیز بات ہے۔ اور ہماری اس پست حالت کو دیکھ کر اکثر لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا ہے۔ کہ ان کی مذہبی تعلیم کی بدولت ان کی یہ حالت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال تعلیم ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں مصر کے اس صدی کے ایک نامور عالم نے لکھا ہے۔

وانما یکون تغیر ما بالنفس
بالتربیة والتعلیم۔ فان المراد
من التغیر ما یترتب علیه تغیر
العمل وانما الاعمال آثار العلوم
والاخلاق۔ فمتی کان العلم
بالحق والباطل وبالصالح و
المفاسد صحیحا۔ والاخلاق
فاضلة، کانت الاعمال کلها
صالحه مؤدیة الی رقی الافراد
وکمالهم الدینی والمدنی۔ ولو
کان التعلیم الذی جرینا علیه
من عدة قرون یخرج لنا
رجالاً ینهضون بالامة

اور کسی قسم کا تغیر تعلیم و تربیت کے
بغیر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تغیر سے مراد
وہ تغیر ہے۔ جس کا نتیجہ عمل کا تغیر ہے۔
اور اعمال علوم اور اخلاق کے آثار ہیں
تو پھر جب حق اور باطل اور مفاسد اور
منافع اور مضار کا علم صحیح ہوگا۔ اور
اخلاق عمدہ ہوں گے۔ تو اعمال بھی
سب اچھے ہوں گے۔ جو کہ قوم کے
افراد کو اعلےٰ ترقی دیں گے اور دینی
اور تمدنی کمالات تک پہونچا دیں گے
اور موجودہ تعلیم جس پر ہم چند صدیوں
سے چل رہے ہیں ایسے افراد پیدا
کردیتی جو کہ ملت اسلامی کو ترقی پر

الاسلامية ويخرجونها من جحر	پہونچا دیتی۔ اور اسے گوہ کے بل سے
الضب الذی نحن فيه —	نکال لیتی جس میں ہم مقید ہیں۔ تو
— ظهرت آثارهم ولما	ان کے آثار ظاہر ہوتے۔ تو ہم اس
بقينا فی هذه المهانة التی نحن	ذلت کی حالت میں نہ رہتے جس میں
فيه منذ بضعة قرون وكاننا	ہم چند صدیوں سے مقید ہیں۔ گویا ہم
مصابون بالفالج اوداء السكتة	فالج یا سکتہ کی بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

ہم تو مریض ہیں اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف ذریعہ شفا اور رحمت ہے۔

وننزل من القرآن ما هو	اور قرآن شریف کو ہم نے مؤمنوں
شفاء ورحمة للمومنين	کے لئے شفا اور رحمت کرکے بھیجا ہے
(بنی اسرائیل ۸۲)	

تو پھر ہم شفایاب کیوں نہیں ہوتے؟ ہم مریض کیوں ہیں؟

ہماری مذہبی کتاب کی تعلیم تو ایسی ہے۔ کہ غیر بھی اس کے ظاہری نتائج نکلنے سے پیشتر یہ رائے قائم کر لیتے ہیں۔ کہ اس تعلیم سے ایسے نتائج نکلنے والے ہیں۔ کہ اس سے جو متاثر ہوں گے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ مہذب، سب سے زیادہ متمدن، کامیاب اور قوی ہوں گے۔

خود وہ کتاب بھی ایسا ہی دعویٰ کرتی ہے۔ علاوہ اس کے نتائج بھی مشاہدے میں آچکے ہیں۔ اس تعلیم کے نتائج کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ تعلیم اب بھی موجود ہے۔ پھر بھی ہم مریض ہیں۔ ہم لیست ہیں ہم کمزور ہیں!

یہ نہایت حیرت انگیز اور عجیب بات ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس پر ہماری حیات کا انحصار ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ اس اہم ترین مسئلہ پر قوم کے بہترین دماغ غور کریں۔ تاکہ صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اپنی بساط کے مطابق میں نے بھی اس مسئلہ پر غور کیا ہے اور جن نتائج پر پہنچا ہوں۔ پیش کرتا ہوں۔

مریض موجود ہو۔ اور اکسیر موجود ہو۔ مسموم موجود ہو۔ اور تریاق موجود ہو اور مرض نہ جاتا ہو۔ زہر نہ جاتا ہو تو اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ یا تو اکسیر اور تریاق کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ یا اگر استعمال کیا جاتا ہے۔ تو غلط طریقہ سے کیا جاتا ہے۔

دوا جیسی نفع پہونچاتی ہے۔ جب وہ صحیح طریقہ سے استعمال کی جائے۔ اگر غلط اور غیر مناسب طریقہ سے استعمال کی جائے۔ تو وہی

زہر بن جاتی ہے۔ جب ایک طرف خدا تعالیٰ قرآن کو ذریعۂ شفا فرماتا ہے۔ اور دوسری طرف تجربہ نے بھی اس کو ایسا ہی ثابت کر دیا ہے۔ کہ ایک بدترین قوم کو جو نہایت خراب اور پست حالت میں تھی مشرک بت پرست اور جاہل تھی۔ اس قوم کو چند سال میں بہترین قوم بنا دیا۔ اس کے مہلک ترین امراض کو شفاء دیکر بہترین صحت عطا کر دی۔ اور اگر ہم باوجود اس تعلیم کے بدستور خراب حالت میں ہیں۔ تو یہ لازمی ہے۔ کہ یا تو ہم اس ذریعہ شفاء کو استعمال نہیں کرتے۔ یا اگر کرتے ہیں تو غلط اور غیر مناسب طریقہ سے استعمال کرتے ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ہماری تباہی کے یہی دو سبب ہیں۔ ہماری قوم کا ایک حصہ تو قرآن مجید سے بالکل ہی محروم ہے۔ اور دوسرا حصہ اس تریاق کو غلط طریقہ سے استعمال کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے موجودہ خراب نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ قوم کا جو حصہ قرآن کی تعلیم سے محروم ہے۔ اس کے متعلق کسی قسم کی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ خراب حالت میں ہے۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جو دوا کو اور صحت کے طریقوں کو استعمال نہ کرے گا۔ وہ خواہ مخواہ مختلف امراض میں گرفتار رہیگا۔

اس وقت قوم کے دوسرے حصے کی حالت پر غور کرنا ضروری ہے۔ جو ایک بہترین تریاق کو غلط طریقہ سے استعمال کرکے اس کے فوائد سے محروم ہو رہا ہے۔

دریا رود از چشم لبِ تر نشود ہرگز
این طرفہ تماشہ بین لب تشنہ بہ آب اندر

تعلیم قرآن کا صحیح طریقہ

قبل ازیں کہ ہم اس پر غور کریں۔ کہ قوم کا ایک حصہ قرآن کی تعلیم کو کن کن غلط طریقوں سے استعمال کرکے اس کے فوائد سے محروم ہے۔ بہتر ہے۔ کہ ہم یہ دریافت کرلیں۔ کہ قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔ جب کوئی طبیب کوئی نسخہ لکھتا ہے تو طریقہ استعمال بھی ضرور بتلا دیتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے۔ کہ قرآن کی تعلیم کا صحیح طریقہ بھی ہمیں قرآن میں ملنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں ہے کہ۔

(۱) ورتّل القرآن ترتیلا ۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

(٢) الذین اتینھم الکتاب — جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔
یتلونہ حق تلاوتہ اولئک — وہ اس کو کما حقہ پڑھتے ہیں۔ اور وہی
یومنون بہ ۔ . . . . — اس پر ایمان لاتے ہیں۔
(٣) ومن یکفر بہ اولئک ھم — اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے۔ وہ
الخاسرون ۔ البقراء (١٢١) — نقصان اٹھانیوالے ہیں۔
(٤) فاقصص القصص لعلھم — ان کو قصے سناؤ۔ تاکہ وہ غور کریں
یتفکرون ۔ الاعراف (١٧٦)

(٥) کذلک نفصل الآیات — غور کرنے والوں کے لئے ہم اس طرح
لقوم یتفکرون ۔ یونس (٢٤) — آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔
(٦) وقرانا فرقنہ لتقراہ — اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے
علی الناس علی مکث ونزلناہ — اس مصلحت سے اتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت
تنزیلا ۔ بنی اسرائیل (١٠٦) — کے ساتھ اسے لوگوں کو پڑھ کر سناؤ
اور اسی مصلحت سے ہم نے اسے رفتہ رفتہ اتارا ہے۔
(٧) لقد انزلنا الیکم کتابا — (لوگو!) ہم نے تمہاری طرف (یہ قرآن)
فیہ ذکرکم افلا تعقلون ۔ — ایسی کتاب اتاری ہے۔ جس میں تمہارا

ذکر ہے کیا تم پھر نہیں سمجھتے۔ الانبیاء (۱۰)

(۸) ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ ۔ اور اے پیغمبر تمہاری طرف جو قرآن وحی کیا جاتا ہے۔ وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو۔ سورہ طٰہٰ (۱۱۴)

(۹) ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل لعلهم یتذکرون ۔ الروم (۵۸) اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے۔ اس قرآن میں سب ہی طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں۔ تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

(۱۰) ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر ۔ اور ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا۔ تو کوئی ہے۔ کہ نصیحت پکڑے۔ القمر (۱۷)

(۱۱) افلا یتدبرون ۔ کیا ان لوگوں نے ہمارے ارشاد یعنی قرآن میں غور نہیں کیا۔ النساء (۸۲)

(۱۲) وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ اور کافر کہتے ہیں۔ کہ اس پیغمبر کا قرآن سارے کا سارا ایک دم کیوں

كذلك لنثبت به فؤادك و — نہیں نازل کیا گیا ہم کہتے ہیں
رتلنٰه ترتیلا ۔ الفرقان (۳۲) کہ جیسا وقتاً فوقتاً اترا ہے ایسا
ہی اترنا چاہیئے تھا ۔ اور اے پیغمبر اس میں مصلحت ہے۔
کہ ہم وقتاً فوقتاً اس کے ذریعہ سے تمہارے دل کو تسکین دیتے رہیں۔
اور اس وجہ سے ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے ۔

(۱۳) والذین اذا ذکّروا بایات — اور نیز وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے
ربهم لم یخروا علیها صما وعمیانا — پروردگار کی آیتیں سنا سنا کر نصیحت
کی جاوے۔ تو اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہ گریں ۔ الفرقان (۷۳)

(۱۴) کتاب انزلناه الیك مبارکا — اے پیغمبر یہ قرآن بڑی برکت والی
لیدبروا ایاته ولیتذکر — کتاب ہے۔ جو ہم نے تمہاری طرف
اولوا الالباب ۔ ص (29/۲۹) — اتاری ہے ۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں
میں غور کریں۔ اور جو عقل رکھتے ہیں۔ اس کے مطلب سے نصیحت پکڑیں۔

(۱۵) انا جعلناه قرانا عربیا — ہم نے اس کو صاف اور سلیس عربی
لعلّکم تعقلون۔ — زبان کا قرآن بنایا ہے ۔ تاکہ تم اس
کو بآسانی سمجھو۔ الزخرف (۳)

(۱۶) فانما یسرنٰه بلسانك لعلهم یتذکرون - الدخان (۵۸)
پس ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کیا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

(۱۷) فاستمسك بالذی اُوحی الیك انك علی صراط مستقیم وانه لذکرلك ولقومك وسوف تسئلون - الزخرف (۴۳)
تو اے پیغمبر قرآن جو تمہاری طرف نازل (وحی) کیا گیا ہے۔ اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو۔ اس میں شک نہیں کہ تم سیدھے راستے پر ہو۔ اور یہ قرآن تمہاری اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے۔ اور آگے چل کر تم سے اس کی بابت باز پرس ہوگی۔

(۱۸) افلا یتدبرون القراٰن ام علی قلوب اقفالها - سورۃ محمد (۲۴)
کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے۔ یا دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

(۱۹) یرید اللّٰه لیبین لکم ویهدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللّٰه علیم حکیم = النسآء (۲۶)
اللہ چاہتا ہے۔ کہ (انبیاً اور صلحا) جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے۔ اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے۔ اور تم پر مہر کی نظر رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔

(۲۰) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (الاحزاب ۲۱) اور مسلمانو! تمہارے لیے پیروی کرنے کے لیے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

کلام مجید میں جو طریقہ اس کو پڑھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے۔ وہ صاف طور پر ان آیات میں درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآن مجید نہایت غور وخوض سے پڑھو۔ اور سمجھو۔ پوری طرح سے اس میں فکر کرو۔ تدبر کرو۔

(۲) جو کچھ پڑھو اس کے مطابق صحیح عمل کرو۔ کیونکہ تمہاری پیدائش کا مقصد عمل ہے۔

(۱) الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ اللہ تعالےٰ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے۔ کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔ (الملک ۲)

(۲) یرید اللہ لیبین لکم و یھدیکم سنن الذین من قبلکم۔ النساء (۲۷) اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ (انبیاء وصلحا) جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے۔ اور تمہیں انہیں طریقوں پر چلائے۔

(۳) اور کلام مجید کی تعلیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ پیش رکھو کیسی تعلیم پر عمل کرنے میں آسانی اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس پر عمل کا مجسم نمونہ پیش نظر رہے۔ تاکہ مختلف لوگ مختلف طریقۂ عمل استعمال نہ کریں۔ اور افراط تفریط سے محفوظ رہیں۔ خود قرآن میں قرآن کی تعلیم کا طریقہ بالکل صاف طور سے بتلا دیا گیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ اسی طریقہ پر کاربند ہوئے۔ اور پورے کامیاب ہوئے۔

حضور پرنور قرآن مجید پر بے انتہا غور فرماتے تھے۔ بعض وقت صرف ایک آیت کو بار بار تلاوت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ پوری رات گذر جاتی تھی۔ اور صبح ہو جاتی تھی۔ امام ابن قیم اپنی کتاب زاد المعاد کی پہلی جلد صفحہ ۹۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وکان (رسول) اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرتل السورۃ حتی تکون اطول من اطول منہا وقام بآیۃ حتی الصباح من آیاتہا۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سورت بڑی سے بڑی سورت ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے۔ اور اسی کو بار بار صبح تک پڑھتے رہتے تھے۔

تعلیم قرآن کے بارے میں صحابہ کرام کی آراء اور تعامل

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

ان الترتیل والتدبر مع قلة القراءة افضل من سرعة القراءة مع کثرتها۔ بان المقصود من القراءة فهمه وتدبره والتفقه فیه والعمل به وتلاوته وحفظه وسیلة الی معانیه کما قال بعض السلف نزل القرآن لیعمل به فاتخذوا تلاوته عملا ولهذا کان اهل القرآن هم العالمون به والعاملون بما فیه وان لم یحفظوه عن ظهر قلب واما من حفظه ولم یفهمه ولم یعمل

آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن شریف اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ جلدی پڑھا جائے۔ کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے۔ تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اور اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی بعض سلف نے کہا ہے۔ کہ قرآن شریف اس لئے نازل ہوا ہے۔ تاکہ اس پر عمل کیا جاوے۔ مگر انہوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنا لیا۔ اسی لئے گذشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے۔

به فلیس من اهله وان اقام
حروفه اقامة اللهم واما مجرد
التلاوة من غير فهم ولا تدبر
ینفعها البر والفاجر والمؤمن
والمنافق کما قال النبی صلعم
مثل المنافق الذی یقرء القران
کمثل الریحانة ریحها طیب و
طعمها مرٌّ

جو قرآن شریف کے عالم اور عامل تھے اگرچہ
ان کو زبانی حفظ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جس
شخص نے قرآن کو یاد کیا۔ اور اس کے
مطالب سمجھے۔ نہ ان پر عمل کیا۔ تو وہ اہل قرآن
میں سے نہیں ہے۔ اگرچہ اسکے حروف کو تیر
کیطرح اس نے درست کر لیا۔ اور مختصر
تلاوت جو کہ فہم اور تدبر سے خالی ہو۔ اس کو
تو ہر نیک و بد مومن اور منافق کر سکتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے۔ اس کی مثال ریحان کی سی ہے۔ کہ اس کی بو عمدہ ہے۔ اور مزا کڑوا ہے۔

وقال شعبة حدثنا ابو حمزة
قال قلت لابن عباس: انی رجل
سریع القراءة وربما قرأت القران
فی لیلة مرة او مرتین۔ قال ابن
عباس لان اقرأ سورة واحدة

شعبہ نے کہا ہے۔ کہ ابو حمزہ نے ہم
سے بیان کیا۔ کہ میں نے ابن عباسؓ سے
کہا۔ کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں۔ بعض اوقات
ایک رات میں ایک یا دو مرتبہ قرآن ختم
کر لیتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا۔ کہ مجھے

اعجب الیّ من ان افعل ذلك	اسطرح قرآن پڑھنے سے ایک سورۃ پڑھنا
الذی تفعل فان کنت فاعلاً لابدّ	بہتر معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال اگر تم تیزی
فاقرأ قرأةً تسمع اذنیك	سے ہی پڑھنا چاہو۔ تو بھی ایسے پڑھو۔ کہ
ویعیه قلبك	تمہارے کان سنیں۔ اور تمہارا دل اسے یاد
	کرلے۔
قال ابن مسعود: قفوا عند	ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے۔ کہ قرآن شریف
عجائبه وحرکوا به القلوب ولا	کے عجائب پر ٹھہرو۔ اور ان سے دلوں
یکن همّ احدکم اخر السورة	میں رقت پیدا کرو۔ اور تمہاری یہ کوشش
	نہ ہو۔ کہ خواہ مخواہ آخری سورۃ تک پہونچو۔
وقال عبد الرحمن ابن ابی	عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰے نے کہا۔ کہ
لیلٰے: دخلت علی امرأة وانا اقرأ	میں ایک عورت کے ہاں گیا۔ اور میں
سورة هود۔ فقالت: یا عبد الرحمٰن	سورہ ھود پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ اے
هکذا تقرأ سورة هود والله انی	عبدالرحمٰن تم اس طرح سورۂ ہود پڑھتے
فیها منذ ستة اشهر وما فرغت	ہو خدا کی قسم میں چھ مہینے سے سورۂ ہود
من قرأتها۔	پڑھ رہی ہوں۔ اور اب تک اس سے

فارغ نہیں ہوئی۔

حضرات صحابہ کرام ایک طرف تو قرآن مجید پر اس قدر غور کرتے تھے۔ اور دوسری طرف اس پر پورا عمل فرماتے تھے۔ قرآن شریف کو اس طرح پڑھتے تھے۔ کہ پہلے دس آیتیں پڑھیں۔ اور ان پر عمل کیا۔ پھر اس کے بعد دس آیتیں پڑھیں اور ان پر عمل کیا۔ اور پھر اس کے بعد دس آیتیں پڑھتے تھے۔ اور ان پر عمل کرتے تھے۔ فقط پڑھنے اور سمجھنے کو ہی مقصود نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر (پہلی جلد ص۳۵ میں درج ہے)۔

قال الاعمش عن ابی وائل عن ابن مسعودؓ قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزهن حتی یعرف معانیهن والعمل بهن۔

اعمش نے ابن وائل سے روایت کی ہے۔ اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا۔ تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا اور جب تک انکے معانی سمجھ نہ لیتا ان پر عمل نہ کرتا۔

قال ابو عبد الرحمن السلمی حدثنا الذین کانوا یقرؤننا انهم

ابو عبدالرحمن سلمی نے فرمایا ہے۔ کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے۔ جو

کانوا یستقرؤن من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یجاوزوا منہا حتی یعلموا بما فیہا من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جمیعاً۔

ہم کو پڑھاتے تھے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے پڑھا کرتے تھے۔ اور جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تھے۔ تو ان سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ جب تک کہ ان پر عمل نہ کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے تھے۔

× اس کے ساتھ ہی حضرات صحابہ کرامؓ اس پر غور کرتے تھے۔ کہ قرآن کی تعلیم سے پہلے ان کی حالت کیا تھی اور اس تعلیم کے اثر سے ان کی حالت کیا ہو گئی؟ اپنی حالتوں کا موازنہ کرتے تھے۔ اور قرآن کی تعلیم سے جو اثرات ان پر ہوتے تھے۔ ان کا پورا اندازہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۱۶ میں درج ہے۔ کہ جب حبش کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو دربار میں بلایا۔ اور ان سے اسلامی تعلیم کے بارے میں دریافت کیا۔ اور کہا کہ تم نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر کیوں اسلام اختیار کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:۔

ایہا الملک کنا قوماً اھل جاھلیہ

اے بادشاہ ہم جاہل تھے۔ اور

نعبد الاصنام و نأكل الميتة و ناتي الفواحش و نقطع الارحام و نجور الجوار و يأكل القوى من الضعيف فكنا على ذلك

بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ اور بے حیائی کے کام کیا کرتے تھے قطع رحمی کیا کرتے تھے۔ اور ہمسایوں سے برائی کرتے تھے۔ اور ہم میں سے قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ ہم اس حالت میں تھے۔

حتى بعث الله الينا رسولا منا نعرف نسبه و امانته و عفافه فدعانا الى الله لنوحده و نعبده و نخلع ما كنا نعبد و آباؤنا من دونه من الحجارة و الاوثان و امرنا بصدق الحديث و اداء الامانة و صلة الرحم و حسن الجوار و الكف عن المحارم و الدماء و نهانا من الفواحش و قول الزور و اكل مال اليتيم و قذف المحصنة

کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف رسول بھیجا جس کے نسب۔ امانت اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی تاکہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آبا پہلے جن بتوں اور پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کو چھوڑ دیں۔ اور اس نے ہمیں سچ بولنے اور امانت ادا کرنے اور صلہ رحمی کرنے اور ہمسایوں کے

وامرنا ان نعبد الله وحده
ولا نشرك به شيئا۔ وامرنا
بالصلوٰة والزكوٰة والصيام
فعدد عليه امور الاسلام
فصدقناه وآمنا به واتبعناه
على ما جاء به من الله۔ نعبد
الله وحده ولا نشرك به
شيئا وحرمنا ما حرم علينا و
احللنا ما احل لنا فعدا علينا
قومنا فعذبونا وفتنونا على
دين ليردونا الى عبادة الاوثان
من عبادة الله تعالى۔

ساتھ نیکی کرنے اور محرمات اور
خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا۔ اور
جھوٹی باتوں اور یتیموں کا مال کھانے اور
عفیف عورتوں کو تہمت لگانے سے
منع کیا۔ اور اس کا حکم دیا کہ ایک ہی
خدا کی پرستش کرو۔ اور اس کے ساتھ
کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور ہمیں نماز اور
زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت
جعفر بن ابی طالب نے سب اسلامی
کام نجاشی کو گن کر سنائے۔ اور اس
کے بعد کہا۔ کہ ہم نے اس نبی کی تصدیق
کی اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ
خدا کی طرف سے لایا ہے۔ ہم نے سب کو تسلیم کیا۔ اس لئے ہم صرف ایک
ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتے۔ جو چیز اس
نے حرام کی ہے۔ اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی۔

اور اس نے ہمیں عذاب دیا۔ اور دین کی وجہ سے تکلیفیں دیں۔ تاکہ ہمیں خدا کی عبادت سے بتوں کی عبادت کی طرف پلٹ دیں۔

قرآن کی تعلیم کا طریقہ خود قرآن شریف سے اور رسول اللہ صلعم اور اصحابہ کرامؓ کے عمل سے بالکل واضح ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں۔ کہ ہم کس قدر اس طریقہ تعلیم کے مطابق قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب اگر وہی نتائج پیدا نہیں ہوتے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ اگر وہ نتائج آپ چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ اسی طریقہ سے قرآن مجید سے فائدہ اٹھائیں ہماری نجات اسی طریقہ پر منحصر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا۔	اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی جس سے اول کی ہوئی۔

اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔ کہ اس صحیح طریقہ کے چھوڑنے سے قرآن کی اصلی تعلیم میں کون سے نقص پیدا ہو گئے ہیں۔ تاکہ ان کی تلافی کرنے میں خاص طور سے سعی کی جائے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ غلط طریقہ تعلیم

سے ہم قرآن کے صحیح مطالب سے کس قدر دور ہو گئے ہیں۔

ایک حصہ قوم کا تو قرآن پڑھتا ہی نہیں۔ بالکل محروم ہے۔ لہذا اس کو اس تعلیم سے بعد ہے۔ اور اس طبقہ کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ دوسرا طبقہ جو اپنے آپ کو قرآن کی طرف متوجہ سمجھتا ہے۔ وہ بھی قرآن سے صحیح طریقے پر مستفید نہ ہونے کی وجہ سے اس کے صحیح مطالب سے دور ہو چکا ہے۔ اور دور ہوتا جاتا ہے۔ اس طبقے میں سے ایک حصہ تو قرآن کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ بلکہ نقل الفاظ کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اکثر مکاتب میں یہی رنگ ہے۔ اس طبقے کا دوسرا حصہ اگرچہ قرآن شریف کے مطالب سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ وہ ان کے سمجھنے کے مقدمات ہی میں الجھا رہتا ہے۔ اور قرآن شریف پر غور کرنے کی طرف نہ تو توجہ کرتا ہے۔ اور نہ اُسے اس کا وقت ہی مل سکتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو علمائے ہند کے امام ہیں اپنی نادر کتاب تفہیمات الٰہیہ میں اسی طبقے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

قرآن کے غلط طریقۂ تعلیم کے نتائج اور شاہ ولی اللہ کی رائے۔

واقول لطلبة العلم: اور میں طالب علموں سے کہتا ہوں۔

ایھا السفہا والمسمّون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بالعلوم الیونانیین وبالصرف والنحو وظننتم ان ھذا ھو العلم۔ کہ اے بیوقوفو! جو خود کو علماء کا خطاب دیتے ہو۔ تم یونانیوں کے علوم میں مشغول ہو گئے ہو۔ اور صرف اور نحو میں پھنس گئے ہو۔ اور تمہارا خیال یہ ہے۔ کہ یہ حقیقی علم ہے۔

اس کے بعد ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے۔ ان کو بقدر ضرورت سیکھا جائے۔ نہ کہ ان کو مستقل درجہ دے دیا جائے۔

ان لا تشتغلوا بالعلوم الآلیۃ الا بانہا آلۃ۔ لا بانہا امور مستقلۃ۔ علوم آلیہ میں شغل محض آلہ ہونے کی حیثیت سے کیا جاوے۔ نہ کہ اس لحاظ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں۔

اور چونکہ یہ طبقہ صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ معانی اور بدیع وغیرہ میں ، تکمیل فنون کے لئے تقریباً تمام وقت صرف کر دیتا ہے۔ اس لئے اصل قرآن کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ہی اس کو نہیں ملتا۔ اور جس قدر قلیل ، اقل حصہ اپنی تعلیم کے زمانہ کا قرآن شریف میں صرف کرتا ہے۔ وہ بھی مفسرین کے

مختلف خیالات معلوم کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ یہ رنگ ہمارے عربی مدارس میں پایا جاتا ہے۔ نہایت افسوس ہے۔ کہ آج خالص قرآن کی تعلیم ہی کہیں نہیں دی جاتی۔ جو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی۔ بلکہ تفسیر قرآن کی تعلیم ہوتی ہے۔ دراصل قرآن کی تعلیم اور تفسیر قرآن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک چیز نہیں۔ قرآن خود ایک مستقل کتاب ہے۔ اور صاف سلیس عربی میں ہے۔ خداتعالے قرآن کے بارے میں فرماتا ہے۔

فانما یسرناہ بلسانك لعلهم یتذکرون۔ — ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کیا ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ الدخان د ۵۸)

ولقد یسّرنا القران للذکر فهل من مدّکر۔ — اور ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔ القمر د ۱۷)

قرانا عربیا غیر ذی عوج لعلهم یتّقون - الزمر د ۲۸) — یہ قرآن صاف سلیس عربی زبان میں ہے۔ اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں

تاکہ اس کو سمجھ کر خدا سے ڈریں۔

قرآن اور تفسیر کے متعلق شاہ اسماعیل شہیدؒ کی رائے

جو شخص عربی جانتے ہوں وہ اس کو کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیش نظر رکھیں جسکا حکم خود قرآن میں ہے۔ اور جو صحیح احادیث کے ذریعہ سے بالکل محفوظ ہے۔ تو انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ بالکل صحیح طور پر قرآن شریف کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ اور جو لوگ عربی نہیں جانتے ان کے لئے بہترین ترجمے موجود ہیں۔ وہ ان کے ذریعہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ ہم قرآن نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے علوم فنون کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بڑے عالم ہونے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ نے کتاب تقویۃ الایمان ص۳۰ میں اس خیال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"اس زمانہ میں دین کی بابت میں جو لوگ کئی راہیں چلتے ہیں۔ کوئی پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کوئی قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں۔ اور کوئی مولویوں

کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے ہیں۔ اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے۔ کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اسکے لئے بڑا علم چاہیئے۔ ہم کو وہ طاقت کہاں ہے۔ کہ ان کا کلام سمجھیں۔ اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت ہے۔ کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی (بات) باتیں کفایت کرتی ہیں۔ سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ قرآن شریف میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں۔ ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ اور اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے بہت علم نہیں چاہیئے۔ کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے کو اور جاہلوں کو سمجھانے کو اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے۔

ھوالذی بعث فی الاُمیّیٖن	وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے اُن
رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہٖ	پڑھوں میں انہیں میں سے پیغمبر بنا کر
ویزکّیھم وَیُعَلِّمُھُم الکتاب والحکمۃ	بھیجا۔ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ
وان کانوا من قبلُ لفی ضلال	کر سناتا ہے۔ اور ان کو پاک کرتا ہے
مبین ٥ الجمعۃ (۲)	اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

سو جو کوئی یہ آیت سن کر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے اور کوئی نہیں چل سکتا۔ سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ اس بات کی مثال یہ ہے۔ کہ جیسے بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار۔ پھر کوئی شخص اس بیمار سے کہے۔ کہ فلاں حکیم کے پاس جانا۔ اور اس سے علاج کروانا۔ اور بیمار کہے کہ یہ تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے۔ مجھ سے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ میں تو سخت بیمار ہوں۔ سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت سے انکار کرتا ہے۔ اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ اور جو تندرستوں کا علاج کرے۔ اور انہیں کو اس کی دوا سے فائدہ ہو۔ اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو۔ تو وہ حکیم کا ہے کا۔

افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن تو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ البتہ مختلف حضرات نے (اپنے اپنے خیالات کے لحاظ سے) جو شرحیں (تفسیریں) قرآن کریم کی لکھی ہیں۔ وہ ہم سمجھ سکتے ہیں۔ اور انہیں کو سمجھنا اور ان شرحوں کی سمجھنے کی کوشش کو لوگوں نے قرآن کی تعلیم سمجھ رکھا ہے۔ اگر یہ شرحیں اور تفاسیر ایسی ہوتیں کہ فقط قرآن مجید کا صحیح مطلب ادا کریں تو اس میں کوئی نقصان نہ ہوتا۔ لیکن

غضب تو یہ ہے۔ کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں ماحول کے مختلف اثرات سے متاثر ہو کر جو طرح طرح کی باتیں اپنی شرحوں اور تفاسیر میں ایسی درج کی ہیں۔ کہ جن میں اور قرآن میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ لوگ ان باتوں کو قرآن کی تعلیم سمجھنے لگے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ قرآن کی تعلیم سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔

دوسرا باب

مختصر تاریخ تفسیر

یہ بات واضح کرنا ضروری ہے۔ اور اسی لئے میں قرآن کی شرحوں کا ابتدائی اور انتہائی مختصر خاکہ بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ شروع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں قرآن مجید کے لئے کسی خاص شرح کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن مجید عربوں کی مادری زبان میں تھا۔ اس کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ البتہ جب مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے۔ تو چونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی اس لئے انہیں قرآن سمجھنے میں دقت شروع ہوئی۔ اس دقت کے رفع کرنے کے لئے جہاں جہاں قرآن مجید کی عبارت میں عجمیوں کے لئے اشکال سمجھے گئے ان کے مطالب کو دوسرے ایسے الفاظ اور جملوں کے ذریعے سے واضح کیا جانے لگا۔ جن کو نسبتاً آسانی سے سمجھا

جا سکے۔

صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ان تفسیری جملوں اور فقروں کو کسی کتاب کی شکل میں لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ جو حضرات قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ تعلیم دینے کے وقت جہاں ضرورت ہوتی تھی ایسے الفاظ اور فقرے استعمال کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ تک کے زمانے میں ان تفسیری الفاظ اور جملوں کی زیادہ ضرورت ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے ایسے تفسیری جملے صرف چند مروی ہیں۔ صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ میں لکھتے ہیں۔

والروایۃ عن الثلثۃ فی ندرۃ جداً۔ — ان تینوں سے بہت ہی تھوڑی روایت ہے۔

سب سے زیادہ تفسیری جملے صحابہؓ میں سے حضرت ابن عباس سے مروی ہیں۔ کیونکہ آپ چھوٹے صحابہؓ میں سے تھے۔ اور آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور اس عرصہ میں کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور بوجہ عجمی ہونے کے ان کو ایسے تفسیری جملوں اور الفاظ کی زیادہ ضرورت تھی۔ لیکن بہت افسوس ہے۔ کہ بہت سے جھوٹے راویوں نے اپنی طرف

سے تفسیری فقرے اور جملے بنا کر حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔

۳ صحابہؓ کرام کے بعد تابعین نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ اور اس تعلیم کے دو مرکز ہو گئے۔ ایک مکہؓ اور دوسرا کوفہؒ مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مثلاً مجاہد اور سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ طاؤس بن کیسان۔ عطا بن ابی رباح قرآن کی تعلیم خصوصیت سے دیتے تھے۔ اور کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد مثلاً علقمہ بن قیس۔ اسود بن یزید۔ ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ۔

حضرات تابعین کے زمانہ میں بھی قرآن مجید کے مطالب سمجھانے والے تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ قرآن کی تعلیم کے وقت وہ استعمال کیے جاتے تھے۔

۴ حضرات تابعین کے بعد ان کے شاگردوں نے صحابہؓ اور تابعین کے ان تفسیری الفاظ اور فقروں کو لکھنا شروع کر دیا۔ جن حضرات نے خصوصیت سے یہ الفاظ اور فقرے جمع کئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سفیان بن عینیہ۔ وکیع بن الجراح شعبہ۔ یزید بن ہارون۔ عبدالرزاق ابن ابی ایاس۔ اسحاق

بن راہویہ - روح بن عبادہ - عبد بن حمید - ابی بکر بن ابی شیبہ -

اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا تو نہایت مفید ہوتا - اور آج قرآن کی اصلی تعلیم صحیح رنگ میں جاری رہتی لیکن افسوس ہے - کہ اس طبقے کے بعد ایسے حضرات پیدا ہوئے - جنہوں نے اپنی شرحوں میں قرآن مجید کے صحیح مطالب کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا - بلکہ بہت سی غیر صحیح باتیں بھی اپنی شرحوں میں درج کر دیں - اور مختلف تفسیروں کی کتابیں ایسی لکھنی شروع کیں جن میں قرآن کے کچھ حصے کے صحیح اور کچھ حصے کے غیر صحیح مطالب موجود تھے -

ان کے بارے میں صاحب کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں -

ثم الف فی التفسیر طائفة	اس کے بعد متاخرین میں سے ایک
من المتاخرین فاختصروا الاسانید	جماعت نے تفسیریں تالیف کیں - اور
ونقلوا من الاقوال کثیرا فدخل من	اسنادوں کو مختصر کر دیا - اور بہت سے
ھھنا الدخیل والتبس الصحیح	اقوال نقل کر دئے - یہاں سے زائد باتیں
والعلیل ثم صار کل من سنح له قول	داخل ہونے لگیں - اور صحیح اور ضعیف
یوردہ ومن خطر بباله شئ یعتمدہ	آپس میں ملتبس ہو گئے - اس کے بعد جس

ثم ینقل ذلک خلف عن السلف عاماً ان له اصلا غیر ملتفت الی ما ورد عن السلف الصالح۔

کسی کو کوئی بات معلوم ہوئی۔ وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا۔ اسی پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد ہر ایک پچھلا طبقہ اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا۔ اس خیال سے کہ کوئی نہ کوئی ضرور اسکی اصلیت ہوگی۔ اور انہوں نے اس کی تحقیق نہیں کی۔ کہ سلف صالحین سے اس میں کیا منقول ہے۔

× ان تفسیروں میں کلام مجید کے الفاظ کے جس حد تک غیر صحیح معنی درج ہونے لگے۔ اس کا اندازہ علامہ سیوطی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

رایت فی تفسیر قوله تعالیٰ غیر المغضوب علیهم و لا الضالین نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی صلعم وجمیع الصحابة والتابعین لیس غیر الیهود و النصاریٰ۔

میں نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف قول دیکھے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ کرام اور تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا اور کچھ مروی نہیں ہے۔

مفسرین کے اس طبقہ کے بعد ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا۔ جنہوں نے

اپنی کتابوں میں قرآن مجید کے غیر صحیح مطالب ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انہوں نے قرآن مجید کے مطالب کو صرف اس فن میں محصور کرنے کی کوشش کی۔ جس کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ مثلاً جس کو نحو اچھی طرح آتی تھی۔ اس نے اپنی تفسیر میں کلام مجید کے صحیح مطالب کو پیش کرنے کی جگہ ساری قوت قرآن کی آیتوں کے نحوی نکات بیان کرنے اور ان پر بحث کرنے اور نحو کے مسائل نقل کرنے میں صرف کر دی۔ اور اسی طرح ان تفاسیر کا پڑھنے والا صرف یہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ گویا قرآن شریف صرف علم نحو ہی کی تعلیم کی غرض سے نازل ہوا ہے۔ مثلاً اس قسم کی ایک تفسیر میں بجائے اس کے کہ بسم اللہ کا صاف مطلب ظاہر کر دیا جاتا۔ اس کے پڑھنے کی تین ہزار ترکیبیں درج کر دی ہیں۔ اس بارے میں بجائے اس کے کہ میں خود کچھ کہوں بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کشف الظنون کی حسب ذیل عبارت نقل کر دوں۔ یہ عبارت اس بات کو واضح کر دے گی۔ کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۲۳۷

ثم صنف بعد ذالك قوم برعوا	اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف
فی شتی من العلوم ملاء کتابه	کی جنہوں نے کسی ایک علم میں قوت حاصل
بما غلب علی طبعه من الفن	کی ہے۔ اور اپنی کتاب کو اسی فن سے

واقتصر فيه على ما تمهر فيه كانّ
القرآن انزل لاجل هذا العلم
لاغير مع ان فيه بيان كل شيء
فالنحوي ليس له همّ الا الاعراب
وتكثير الاوجه المحتملة فيه وان
كانت بعيدة وينقل قواعد النحو
ومسائله وفروعه وخلافياته
كالزجاج والواحدي في البسيط
وابو حيان في البحر والنهر والاخباري
ليس له شغل الا القصص واستيفاؤها
والاخبار عمن سلف سواء كان
صحيحة او باطلة ومنهم الثعلبي
والفقيه يكاد يسرد فيه الفقه
جميعًا وربما استطرد الى اقامة
ادلة الفروع الفقهية التي لا

بھر دیا ہے۔ جو اس کی طبیعت میں غالب
تھا۔ اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں
کہ اسے مہارت حاصل تھی۔ گویا کہ قرآن
شریف محض اسی علم کے لئے نازل ہوا
تھا۔ باوجودیکہ اس میں ہر چیز کا بیان
موجود ہے۔ نحوی کو فقط اعراب اور
وجوہ ترکیب ہی مدِ نظر رہتے ہیں۔ اگرچہ
وہ بعید ہی کیوں نہ ہو۔ اور وہ نحو کے
قواعد اور مسائل اور فروع اور خلافیات
ہی کو داخل کریگا۔ جسطرح کہ زجاج
اور واحدی نے بسیط اور ابوحیان
نے بحر اور نہر میں کیا ہے۔ اور
اخباری کو محض قصے اور ان کی تکمیل
ہی مدِ نظر رہتی ہے۔ اگر گذشتہ قصے
خواہ وہ صحیح ہوں۔ یا غلط۔ ثعلبی بھی ایسے

تعلق لها بالآية اصلاً والجواب
على ادلة المخالفين كالقرطبي
وصاحب العلوم العقلية خصوصاً
الامام فخر الدين فلا ملاء تفسيره
باقوال الحكماء والفلاسفة وخرج
من شئ الى شئ حتى يقضي
الناظر العجب قال ابوحيان
في البحر جمع الامام الرازي في
تفسيره اشياء كثيرة طويلة لا
حاجة بها في علم التفسير ولذلك
قال بعض العلماء فيه كل شئ
الا التفسير والمبتدع ليس
له قصد الا تحريف الآيات و
تسويتها على المذهب الفاسد
بحيث انه لولاح له اشارة من

حضرات ہی میں سے ہیں۔ اور فقیہ کا
یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ ساری فقہ
داخل کر دے۔ بسا اوقات فقیہ فروعات
فقہ کی دلیلیں لے آتا ہے۔ حالانکہ ان کو
نفس آیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور
پھر ان دلیلوں کے مخالفین کے جوابات
بھی نقل کر دیتا ہے۔ ایسے حضرات میں
قرطبی ہیں۔ اور صاحب علوم عقلیہ خصوصاً
امام رازی جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء
اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے۔
اور کہاں سے کہاں تک چلے جاتے ہیں
جس کے دیکھنے والا متعجب ہو جاتا ہے۔
ابوحیان نے بحر میں کہا ہے۔ کہ امام رازی
نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں ایسی
درج کی ہیں۔ جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت

بعيداً اخذها او وجد موضعاً
له فيه او في مجال سارع اليه
والملحد فلا تسئل عن كفره والحاده
في آيات الله وافترائه على الله ما
لم يقله ومن ذلك القبيل الذين
يتكلمون في القرآن بلا سند
ولا نقل عن السلف ولا رعاية
الاصول الشرعية والقواعد العربية
كتفسير محمود بن حمزة الكرماني
في مجلدين سماه العجائب الغرائب
ضمنه اقوالاً هي عجائب عند
العوام وغرائب ما نقلت
عن السلف بل نقل فيه
اقوالاً منكرة لا يحل الاعتقاد
عليها ولا ذكرها الا للتحذير من

نہ تھی۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے۔
کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے۔
مگر تفسیر نہیں۔ اور ایک بدعتی کی غرض
محض آیتوں کی تحریف ہی ہوتی ہے۔
تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر
منطبق کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس
کو کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے۔
تو اسے لے لیتا ہے۔ یا اگر کوئی ایسا
موقعہ پاتا ہے جس میں اس کی بات
کچھ بھی بن سکے تو فوراً اپنا لیتا ہے۔ اور
ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کہ وہ خدا کی
نسبت جھوٹ بناتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے
مطلقاً نہیں فرمایا اور جو لوگ قرآن شریف
میں بلا سند یا سلف صالحین کے اقوال
کے ماسوا اور قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ

ذلك و سئل البلقيني عمن
فسّر بهذا افتى بانه ملحد
واما كلام الصوفية فى القرآن
فليس بتفسير قال ابن الصلاح
فى فتاواه وجدت عن الامام
الواحدى انه قال صنف السلمى
حقائق التفسير ومن اعتقد ان
ذلك تفسير فقد كفر۔ قال النسفى
فى عقائده النصوص تحمل
ظواهرها والعدول عنها الى
معان يدعيها اهل الباطن
الحاد"

کی رعایت کے بغیر کچھ کہتے ہیں۔ وہ سب
اسی قسم میں سے ہیں محمود بن حمزہ کرمانی
کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے۔
جس کا نام اس نے "العجائب والغرائب"
رکھا ہے۔ اس میں بہت سے قول
نقل کئے ہیں۔ جو عوام کے نزدیک
عجیب ہیں۔ اور سلف کے طریقے سے
بہت دور ہیں۔ بلکہ وہ ایسے ہیں کہ ان
پر اعتقاد ہی ناجائز ہے۔ اور ان کا ذکر
کرنا سوائے تحذیر کے ناجائز ہے۔
بلقینی سے ایسے لوگوں کے نسبت
فتویٰ پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے
لوگ (مفسر) ملحد ہیں۔ اور قرآن شریف کے بارے میں صوفیہ کا
کلام تفسیر نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ میں
نے امام واحدی سے معلوم کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ سلمی نے حقائق التفسیر

تصنیف کی ہے۔ جو شخص یہ خیال کرے۔ کہ یہ تفسیر ہے۔ تو وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا ہے۔ کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائیگا۔ اور ان سے اہل باطن کے معانی کی طرف پھرنا الحاد ہے۔

ہم میں یہ رنگ چھٹی صدی میں آگیا تھا۔ اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ قرآن مجید کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ خود ان تفسیروں کی شرحیں اور حاشیے لکھے جانے شروع ہو گئے۔ صرف تفسیر بیضاوی کا ملا عوض نے تیس جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔

نوٹ:۔ یہاں میرا مقصد حضرات علماء پر اعتراض کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ ایک نہایت اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ حضرات علمائے کرام نے اپنے مذہب کی خدمت جس خلوص اور جانفشانی سے کی ہے۔ اس کی جزا صرف اللہ تعالیٰ ہی مرحمت فرما سکتا ہے۔

صحیح انداز پر تعلیم قرآن سے محرومی کے نتائج

یہ واضح ہوگیا ہوگا۔ کہ اصل قرآن پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے۔ اور تفاسیر پر غور و فکر کرنا اور چیز ہے۔ اصل قرآن کو چھوڑنے سے اور اس کو صحیح طریقہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہم قرآن کی صحیح تعلیم سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔

اور اس کے نتائج وہ ہیں۔ جو کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ خود قرآن سے جو طریقے قرآن کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کے درج ہیں۔ ان کو چھوڑنے کی وجہ سے جس اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے ہم محروم ہوتے جاتے ہیں۔ اور قرآن کی تعلیم ہمارے غلط طریقۂ استعمال کی وجہ سے عمدہ نتائج کیوں نہیں پیدا کرتی۔ یہ حسب ذیل مثالوں سے واضح ہوجائیگا۔ جب سے ہم قرآن کی اصلی تعلیم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ ہم برابر تنزل کر رہے ہیں۔ اور جیسی قوم کی حالت ہوتی ہے۔ ویسے ہی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ اگر قوم زندہ ہوتی ہے۔ تو اس کے افراد میں جرأت۔ ہمت۔ استقلال۔ ترقی کی امنگ۔ قربانی وغیرہ عمدہ اخلاق ہوتے ہیں۔ اور اگر قوم میں مردنی ہوتی ہے۔ تو اس کے افراد پست ہمت۔ سست۔ بزدل ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے والے ہوتے ہیں۔ قومی تنزل کا مردہ اقوام میں اس قدر اثر ہوتا ہے۔ کہ عمدہ الفاظ کے مفہوم بھی بگڑ کر خراب ہوجاتے ہیں۔

نواب محسن الملک مرحوم نے ایک موقعہ پر اس بات کو اس مثال سے واضح کیا تھا۔ کہ جب مسلمانوں میں کچھ جان تھی تو ان میں وعدہ اور قول و قرار کا دوسرا مفہوم تھا۔ اور جب ان پر مردنی چھاگئی۔ تو انہیں الفاظ کا دوسرا مفہوم

ہوگیا۔ پہلے مشہور تھا ؎ قول مرداں جانے دارد۔ پھر یہ حالت ہوئی ؎ وعدہ آساں ہے دے اس کی وفا مشکل ہے کہ پھر اس کے بعد یہ حالت ہوگئی ؎ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا۔ اسی طرح جب سے ہم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس وجہ سے ہماری حالت خراب ہوگئی ہے۔ تو خود قرآن مجید کے الفاظ کے مفہوم ہی بدل گئے۔ مثال کے طور پر میں "توکل" اور "صبر" کو پیش کرتا ہوں۔

۱ توکّل کیا ہے؟

آج کل ہمارے ہاں "توکل" کے معنی ہیں۔ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا۔ اور کچھ کام نہ کرنا۔ اس کو کہتے ہیں "توکل" اس کے لئے ایسے قصے بھی مشہور ہیں۔ کہ ایک صاحب نے اس طرح "توکل" کیا۔ کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے۔ اور خدا سے کہا کہ میں خود کھانا نہیں کھاؤنگا کہ جب تک خود بخود کھانا میرے منہ میں نہ آجائے گا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد کھانے کا ایک خوان ان کے سامنے موجود ہوگیا۔ وہ سمجھے کہ بس کام ہوچکا۔ اور اپنے ہاتھ سے کھانے لگے۔ اتنے میں آواز آئی کہ تو جلدی کر گیا۔ اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو خود بخود تیرے منہ میں کھانا پہنچ جاتا۔ اور چونکہ قرآن میں "توکل" کی تعریف ہے۔ اس لئے نکموں کی تعریف کی جاتی ہے۔ کہ

فلاں صاحب تو کچھ کام نہیں کرتے۔ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ وہ بڑے متوکل ہیں۔ ــــــــــ حالانکہ قرآن مجید میں توکّل کا مفہوم یہ ہے کہ نہایت مشکلات کی حالت میں پوری ہمت سے کام کرنا۔ اور نتیجہ کی طرف سے خائف ہو کر کام نہ چھوڑنا۔ بلکہ نتیجہ کے بارے میں خدا تعالیٰ سے کامیابی کا بھروسہ رکھنا چنانچہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ مفہوم صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے

قالوا یاموسیٰ ان فیھا قوماً
جبّارین وانا لن ندخلھا حتّٰی
یخرجوا منھا فان یخرجوا منھا فانّا
داخلون۔ قال رجلان من الذین
یخافون انعم اللہ علیھما ادخلوا
علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم
غلبون ۵ وعلی اللہ فتوکلوا ان
کنتم مومنین۔
سورۃ المائدہ (۲۳)

وہ لوگ کہنے لگے۔ کہ اے موسیٰ اس
ملک میں تو بڑی زبردست قوم رہتی ہے۔
اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائے۔
ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔
ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو
ہم ضرور جا داخل ہوں گے۔ خدا کا ڈر
ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے۔
جن پر خدا تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی
کی وہ بول اٹھے۔ کہ ان پر چڑھائی کرکے
دروازے میں گھس پڑو اور جب تم دروازے میں گھس پڑے۔ تو بلاشبہ

تمہاری فتح ہے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

واتل علیہم نبأ نوحؑ اذ قال
لقومہ یقوم ان کان کبر علیکم
مقامی وتذکیری بآیت اللہ
فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم
وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم
غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون،
سورۃ یونس (۷۱)

اور اے پیغمبر ان لوگوں کو نوحؑ کا حال پڑھ کر سناؤ؟ کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔ کہ بھائیو! اگر میرا رہنا اور خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنانا تم پر گراں گزرتا ہے + تو میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں۔ پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرالو۔ پھر تمہاری وہ بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے۔ پھر جو تم نے کرنا ہے۔ میرے ساتھ کر چکو۔ اور مجھے مہلت نہ دو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کام نہیں چھوڑا۔ اگر نکمے ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو اس چیلنج کی ضرورت نہ تھی۔ قوم صرف یہی چاہتی تھی۔ کہ کام نہ کرو۔

۷ **صبر کا مفہوم؟** صبر کے معنی آج کل فقط یہ لئے جاتے ہیں۔ کہ اگر کسی نے کسی وجہ سے کوئی مصیبت آ پڑے۔ تو غم کا اظہار نہ کریں۔ نیز یہ کہ ذلتیں برداشت کریں اور چپ بیٹھے رہیں۔ پٹتے جائیں اور اف نہ کریں۔ ایسے نالائقوں اور

بے حمیتوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے۔ کہ یہ قرآن شریف پر عامل ہیں۔ اور قرآن میں صابروں کی تعریف ہے۔ لہذا ایسے اصحاب کی بھی تعریف اور وقعت ہونی چاہیئے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صبر کا مفہوم ہے کہ صحیح اصول پر کام کرتے ہیں جو دقتیں پیش آئیں ان کو برداشت کرنا اور کام کو جاری رکھنا اور نباہنا۔ اور دقتوں سے گھبرا کر کام کو نہ چھوڑ دینا چنانچہ یہ مفہوم مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہو جائیگا۔

قالوا لا طاقة لنا الیوم بجالوت وجنوده قال الذین یظنون انہم ملقوا اللہ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ واللہ مع الصابرین ۝ ولما برزوا لجالوت وجنوده قالوا ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین ۝ فھزموھم باذن اللہ
سورہ بقرہ (۲۵۱)

(پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار گئے۔ تو جن لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی) کہنے لگے۔ کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا دم ہی نہیں ہے۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ ان کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ بول اٹھے کہ اکثر ایسا ہوا ہے۔ کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب جالوت
اور اس کی فوجوں کے مقابلہ میں آئے۔ تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار
ہم پر صبر انڈیل دے۔ اور معرکہ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ
اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔ اور پھر اللہ کے حکم سے ان
لوگوں نے دشمن کو بھگا دیا۔

وکاین من نبی قاتل معه
ربیون کثیر فما وهنوا لما
اصابهم فی سبیل وما ضعفوا
وما استکانوا والله یحب
الصابرین ○ وما کان قولهم
الا ان قالوا ربنا اغفر لنا ذنوبنا
واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا
وانصرنا علی القوم الکفرین ○
(سورۂ آل عمران ۱۴۶،۱۴۷)

اور بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں
جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے
لوگ دشمنوں سے لڑے۔ تو جو مصیبت
ان کو اُنکے راستے میں پہونچی۔ اس کی وجہ
سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری۔ اور
نہ بودا پن ظاہر کیا۔ اور نہ انہوں نے
دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا۔
اور اللہ تعالیٰ صابروں کو دوست رکھتا
ہے۔ اور سوائے اس کے ان کے
منہ سے ایک بات بھی تو نہیں نکلی۔ کہ لگے دعائیں مانگنے کہ پروردگار ہمارے گناہ

معاف کر اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما۔ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح دے۔

کلام مجید میں صابروں سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ کم سے کم اپنی دوگنی قوت پر وہ غالب ہو جائیں گے۔

فان یکن منکم مائۃ صابرۃ	اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے
یغلبوا مائتین وان یکن منکم	تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے۔ اور اگر
الف یغلبوا الفین باذن اللہ	تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے
واللہ مع الصابرین۔	تو وہ خدا کے حکم سے دو ہزار کافروں
سورۃ الانفال (۶۶)	پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالے

صابروں کے ساتھ ہے۔

چند مثالیں اصل قرآن پیش نظر نہ رہنے سے اور اس سے صحیح طریقہ سے مستفید نہ ہونے سے اور اس کی جگہ مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی شرحوں کے پیش نظر رکھنے سے ایک تو یہ نقصان ہوا۔ کہ الفاظ کے غلط مفہوم عام طور سے رائج ہو گئے۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوا ہے۔

کہ کلام مجید کی تعلیم کے چند ضروری حصے نظر انداز ہو گئے۔ جب اصل کتاب تو
پیش نظر نہ ہو۔ اور بجائے اس کے مختلف لوگوں کی مصنفہ کتابیں پیش نظر
ہوں تو لازمی ہے۔ کہ تعلیم اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے۔ اور اس کا ایک حصہ
ضائع ہو جائے۔ اس کے متعلق چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ مثلاً دنیوی زندگی
کو کامیاب اور قومی بنانے کے وسائل اختیار کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں
جو کچھ تعلیم ہے۔ اس کی طرف سے بالکل غفلت کی جاتی ہے۔ اور اس طرف بالکل
توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اور اپنی حالت کامیاب
اور قوی بنانے کے لئے کامل تیاری کرنا اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینا
اسلامی فرائض میں داخل ہے۔ اور اس پر قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے۔

واعدّوا لهم ما استطعتم	اور تیاری کرو ان کے واسطے جو
من قوة ومن رباط الخيل ترهبون	کچھ تم کر سکو۔ قوت سے اور گھوڑوں کے
به عدوّ الله وعدوّكم۔	باندھے رکھنے سے کہ ایسا کرنے سے
سورہ انفال (۶۰)	اللہ کے دشمنوں پر اپنی دھاک
	بٹھائے رکھو گے (اپنی حالت کو ایسا مضبوط رکھو)

سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولو ارادوا الخروج لاعدوا — اگر یہ لوگ باہر نکلنے کا ارادہ رکھتے

له عدۃ" - سورۃ توبہ (۴۶) — تو اس کیلئے تیاری کرتے۔

سورہ نساء میں فرمایا -

والذین کفروا لو تغفلون — کافروں کو تو تمنا ہے - کہ تم ذرا بھی

عن اسلحتکم و امتعتکم فیمیلون — اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے

علیکم میلۃ واحدۃ - — غافل ہو جاؤ - تو یک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں

النساء (۱۰۲)

5 بلکہ جو لوگ مسلمانوں کی ترقی میں اور کامیاب اور مضبوط حالت بنانے میں مطلق توجہ نہیں کرتے - اور تمام کام چھوڑ کر سارا وقت نوافل پڑھنے میں صرف کرتے ہیں - اور اپنی حالت راہبوں کی سی بنا لیتے ہیں - کہ ان کو دنیاوی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا - ایسے حضرات کو بہترین نمونہ اسلام سمجھا جاتا ہے - حالانکہ قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے - کہ جو لوگ مسلمانوں کی حالت محفوظ رکھنے اور قوی بنانے میں موقعہ پر ایک دفعہ بھی تساہل کر جائیں - تو خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں - ان کو مسلمان اپنی جماعت سے خارج کر دیں - جب تک وہ اپنے اس تساہل سے باز نہ آجائیں - خود حضرات صحابہ کرام میں سے

تین اصحاب سے ایک دفعہ ایسے موقعہ پر تساہل ہوگیا تھا ان صحابہ کے نام یہ ہیں) کعب بن مالک - ہلال بن امیہ - مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تو تمام مسلمانوں نے اپنی جماعت سے ان کو علیحدہ کردیا تھا - اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دیئے تھے - یہاں تک کہ گفتگو بھی ترک کردی گئی تھی جب وہ انتہائی پریشانی اٹھا چکے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی - اس کے بعد مسلمانوں نے ان سے تعلقات دوبارہ وابستہ کئے - ان کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہے -

وعلی الثلثۃ الذین خلّفوا	ان تین شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے
حتی اذا ضاقت علیہم الارض	تھے - یہاں تک کہ جب زمین باوجود
بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم	فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی - اور وہ اپنی
وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ	جان سے بھی تنگ آگئے - اور سمجھ
ثم تاب علیہم لیتوبوا ان اللہ	گئے - کہ خدائی گرفت سے اس کے
ھو التواب الرحیم ؀	سوا اور کہیں پناہ نہیں - پھر خدا نے ان
سورہ توبہ (۱۱۸)	کی توبہ قبول کر لی - تاکہ قبول توبہ کے

شکر یہ میں آئندہ کے لئے بھی توبہ کئے رہیں - بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ

قبول کرنے والا مہربان ہے۔ نیز صحیح حدیث میں بھی صاف طور پر درج ہے کہ مسلمانوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کرنا نوافل نماز اور روزہ سے زیادہ بہتر ہے۔

روی مسلمؒ عن سلمان الفارسی عن رسول اللہ صلعم انہ قال رباط یوم ولیلۃ خیر من صیام شہر وقیامہ قال الامام احمدؒ قال عثمان وھو یخطب علی منبرہ سمعت رسول اللہ صلعم یقول حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ قیام لیلہ ویصام نہارھا۔

مسلم بن سلمان فارسی سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی حفاظت کرنا نوافل (نماز۔ روزہ) سے بہتر ہے۔ اور ایک دن رات سرحد پر پہرہ کا کام کرنا ایک مہینہ کے روزے اور نماز سے بہتر ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عثمانؓ نے منبر پر خطبہ پڑھتے کے وقت فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہر ایک رات کی پاسبانی ہزار رات سے بہتر ہے۔ کہ جن میں رات کو نوافل پڑھے جائیں۔ اور دن کو روزے رکھے جائیں۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۷۲ میں درج ہے۔ کہ ۱۱۶ھ میں عبد اللہ

بن مبارک نے جو مسلمانوں کو محفوظ اور قوی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے حسب ذیل شعر فضیل بن عیاض کو لکھ کر روانہ کیا تھا۔ فضیل ابن عیاض صوفیہ کے امام ہیں۔ اور اس وقت مسجد حرام میں عبادات اور روحانی ریاضتوں میں مصروف تھے ؎

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا — اے حرمین کے عابد اگر تو ہماری

لعلمت انک فی العبادۃ تلعب — حالت دیکھے تو جان لے کہ تو عبادت میں کھیل رہا ہے۔ تیری عبادت مثل لہو ولعب کے ہے۔

جس وقت حضرت فضیل بن عیاض نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے۔ اور فرمایا کہ عبد اللہ بن مبارک نے صحیح لکھا ہے (فلما قراہ ذرفت عیناہ وقال صدق ابو عبد الرحمن۔)

۲۔ دوسری مثال یہ ہے کہ معاش حاصل کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا۔ اور اس کے وسائل حاصل کرنا۔ دنیاداری کو (بزعم خود) دین سے علحدہ تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود قرآن کی تعلیم ہے

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا — پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی

فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔ — راہ لو۔ اور خدا کے فضل (یعنی معاش)

سورۃ الجمعۃ (۱۰)

کی جستجو میں لگ جاؤ۔

چنانچہ اکثر صحابہ اور آئمہ سلف کسب معاش کیلئے تجارت وغیرہ جیسے وسائل میں مصروف رہتے تھے۔ بخلاف اس کے آج کل ہمارے مقتدی ما ان وسائل میں مصروف ہونا خلاف تقدس اور کسر شان سمجھتے ہیں۔ یہ بات قرآن کی تعلیم سے بعد کا نتیجہ ہے۔

3 تیسری مثال یہ۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ مسلمان دنیا میں ذلیل اور مسکین زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی تعلیم کے یہ بالکل خلاف ہے۔ اور قرآن مجید میں ذلت اور مسکنت کو خدا کے غضب اور عذاب کی نشانی بنایا گیا ہے۔ جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

سورہ زمر میں ہے۔

کذب الذین من قبلھم	جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے
فاتٰھم العذاب من حیث	ہیں انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔
لا یشعرون فاذاقھم اللہ الخزی	تو ان کو عذاب نے ایسی طرف سے
فی الحیٰوۃ الدنیا۔	آلیا۔ کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ تو انکو
سورہ زمر (۴۵)	

اس دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے ذلت کا مزہ چکھا دیا۔

سورۂ بقرہ میں یہود کی خرابیوں کے ذکر کے بعد ان کو عذاب سے اس طرح ڈرایا گیا ہے۔

افتؤمنون ببعض الکتب	تو تم کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے
وتکفرون ببعض۔ فما جزاء	ہو۔ اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ
من یفعل ذلک منکم الا خزیٌ	تم میں سے ایسا کریں گے۔ اس کے
فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم القیامۃ	سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے۔
یردّون الی اشد العذاب۔	کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت ہو۔
سورہ بقرہ (۸۵)	اور آخرکار قیامت کے دن بڑے

ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں (یعنی دنیا کی ذلت بدعملیوں کی سزا ہے)

دوسرے موقعہ پر سورہ آل عمران میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

ضُرِبَتْ علیہم الذلۃ این	جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر
ما ثقفوا الا بحبل من اللہ و	سوار ہے اور خدا کے غضب میں گرفتار ہے

وحبل من الناس وباؤوا	اور محتاجی ہے۔ کہ الگ ان کے
بغضب من اللہ وضربت	پیچھے پڑ گئی ہے (یعنی مسکنت خدا
علیھم المسکنۃ	کے غضب کی نشانی ہے)

سورہ آل عمران (۱۱۱)

بخلاف اس کے جن لوگوں پر خدا تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرماتا ہے۔ ان کو برتری اور سلطنت عطا فرماتا ہے۔

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو۔ اور
الاعلون ان کنتم مؤمنین	تم ہی غالب ہو گے۔ اگر تم مومن ہو

سورہ آل عمران (۱۳۹)

ولقد کتبنا فی الزبور من	اور ہم زبور میں پند و نصیحت
بعد الذکر ان الارض یرثھا	کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں۔ کہ ہمارے
عبادی الصالحون۔	نیک بندے زمین کی سلطنت
الانبیاء (۱۰۵)	کے وارث ہوں گے۔
وعد اللہ الذین آمنوا منکم	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے
وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی	اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے

الارض۔ النور (۵۵) خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خدمت (یعنی سلطنت) ضرور عطا فرمائے گا۔

۱۴ چوتھی مثال:۔ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ جنت کے کامل استحقاق کے لئے نماز پڑھنا۔ روزے رکھنا۔ حج کرنا۔ تسبیح اور درود و وظائف پڑھنا اور داڑھی رکھنا کافی ہے۔ اگر پورا مذہبی اور جنتی مسلمان بننے کے لئے صرف یہی شرائط سمجھی جائیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ اشاعت و حفاظت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لئے اپنے آپ کو مشقت اور محنت میں مبتلا کریں۔ اور آرام و راحت کی زندگی بسر نہ کریں۔ جب ابتدائے عمر سے یہ ذہن نشین ہو چکا ہو۔ کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مسلمان ہو سکتا ہے۔ تو پھر قومی حیات کے لئے ایثار کرنے پر کیا چیز ہم کو آمادہ کر سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صاف طور پر درج ہے۔ کہ ہماری نجات کے لئے اس زندگی میں پوری اور ہر طرح کی کوشش کی ضرورت ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا کیا تم کو خیال ہے۔ کہ جنت میں

الجنۃ و لما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب سورۃ البقرۃ (۲۱۴)

میں چلے جاؤ گے۔ اور ابھی تک تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی۔ جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ کہ ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہونچیں اور وہ جھرجھرا تے بھی گئے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے۔ کہنے لگے۔ کہ خدا کی مدد کب آئیگی؟ خبر دار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

سورہ آل عمران میں فرمایا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین ۝

کیا تم کو خیال ہے۔ کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے تم سے وہ لوگ معلوم نہیں کئے جو مجاہد ہیں۔ اور نہ وہ معلوم کئے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔ آل عمران (۱۴۲)

سورۂ توبہ میں فرمایا ہے۔

ام حسبتم ان تترکوا

کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے۔ کہ

ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا	کہ چھوٹ جاؤ گے۔ اور ابھی اللہ نے
منکم ولم یتخذوا من دون اللہ	وہ لوگ نہیں معلوم کئے۔ جو تم میں سے
ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ	مجاہد ہیں۔ اور سوائے اللہ اور اس
واللہ خبیر بما تعملون ۝	کے رسول اور مسلمانوں کے کسی کو اپنا
سورۃ التوبۃ (۱۶)	دلی دوست نہیں بناتے۔ اور جو کچھ تم

کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے

سورہ محمدؐ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولنبلونکم حتی نعلم	اور تم کو ہم ضرور آزمائیں گے۔
المجاھدین منکم والصابرین	تاکہ تم میں جو مجاہد ہیں اور برداشت
ونبلوا اخبارکم ۃ	کرنے والے ہیں۔ ان کو ہم معلوم کرلیں
سورۃ محمد (۳۱)	اور تاکہ تمہارے حالات کو معلوم کرلیں

سورۂ عصر میں حق اور "صبر" کی وصیت کو سب پر لازمی قرار دیا گیا ہے۔
اور ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ بغیر اس کے سب لوگ نقصان میں ہیں۔

والعصر ان الانسان لفی	زمانہ کی قسم انسان نقصان میں
خسر الا الذین امنوا وعملوا	ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور

الصالحات. وتواصوا بالحق — انہوں نے نیک عمل کئے۔ اور ایک
وتواصو بالصبر ○ — دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے
سورۃ العصر — اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔

امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس سورۃ کی تشریح فرماتے ہوئے۔ صاف طور پر فرماتے ہیں۔

فیها وعید شدید و ذلك — اس میں وعید سخت ہے۔ اس لئے
لانه تعالیٰ حکم بالخسارۃ علیٰ جمیع — کہ خدا تعالیٰ نے خسارہ کا حکم لگایا ہے۔
الناس سوی الذین یومنون — تمام لوگوں پر سوائے اس کے جو ان
ویعملون بهذه الاشیاء — چار چیزوں پر کاربند ہو۔ اور وہ ایمان
الاربعة وهی الایمان والعمل — عمل صالح۔ تواصی بالحق و تواصی بالصبر
الصالح والتواصی بالحق والتواصی — ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات
بالصبر فدل ذلك علی ان النجاة — ان چاروں کے مجموعہ پر منحصر ہے۔ اور
معلّقة بمجموع هذه الامور — یہ کہ جس طرح ہر ایک مکلف شخص کو
وانه کما یلزم المکلّف تحصیل — ان چیزوں کا حاصل کرنا ضروری ہے
ما یخص نفسه فکذلك یلزمه — جو اس کے نفس کے لئے خاص ہیں۔

اسی طرح وہ امور بھی ضروری ہیں۔ جو غیروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کے مذہب کیطرف دعوت دینا۔ اور خیر خواہی کرنا۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ اور تواصی کو مکرر لاتے ہیں۔ تاکہ پہلا لفظ دعوت الی اللہ پر دلالت کرے۔ اور دوسرا لفظ اس پر ثابت قدم رہنے پر یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔

فی غیرہ امور منها الدعاء الی الدین والنصیحة والامر بالمعروف والنهی عن المنکر ثم کرر التواصی لیتضمن الاولی الدعاء الی الله والثانی الثبات علیه دلت الآیة علی ان الحق ثقیل وان المحن تلازمه فکذلک قرن به التواصی۔

کہ حق ایک بھاری چیز ہے۔ اور بہت سی تکلیفیں اس کے لئے لازمی ہیں۔ اس لئے تواصی بالصبر کا حکم دیا گیا ہے۔

میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ اصل قرآن چھوڑنے سے اور اس کے صحیح طریقہ سے مستفید نہ ہونے سے ایک تو قرآن کے الفاظ کے غلط مفہوم رائج ہو گئے ہیں۔ اور دوسرا اب یہ واضح ہو گیا ہے۔ کہ اس کی تعلیم کا ایک حصہ ہم نے بھلا دیا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں بہت زور اس پر دیا گیا ہے۔ کہ تعلیم کے کسی حصے کو نظر انداز نہ کرو۔ بلکہ سب کو پیش نظر رکھو ورنہ ذلت اور عذاب

نازل ہوگا۔ بنی اسرائیل سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فے الحیٰوۃ الدنیا ویوم القیٰمۃ یردون الی اشد العذاب ؕ

تو کیا کتاب الٰہی کی بعض آیتوں کو مانتے ہو۔ اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو سوائے اس کے ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہے۔ اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں

3 صحیح طریقہ تعلیم کو چھوڑنے سے تیسرا بڑا نقصان یہ ہوا ہے۔ کہ کلام مجید کی تعلیم پر پورا غور و فکر نہ کرنے سے کلام مجید کے بعض حصوں کو محض چند کہانیوں اور تفریحی باتوں کا درجہ دیتے ہیں۔ اور ان سے مستفید ہونے کا مقصد ہی نہیں کرتے اور اس طریقہ سے ہم کلام مجید کی تعلیم کے ایک حصے سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے سے محروم ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید میں جو قصص مذکور ہیں ان کو ہم صرف یہ درجہ دیتے ہیں:

ان ھذا الا اساطیر الاولین۔ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں (ہم ان قصوں کو اسی درجہ پر رکھتے ہیں) الانفعال (ع۳) حالانکہ کلام مجید میں اس حصہ تعلیم کے بارے

میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وکلاً نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فواٰدک وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمؤمنین۔ سورہ ہود (۱۲۰)

اے پیغمبر دوسرے پیغمبروں کے جتنے قصے ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کی ڈھارس بندھاتے ہیں۔ اور ان قصوں کے ضمن میں ایک تو جو حق بات تھی وہ تمہارے پاس پہونچی اسکے علاوہ اس مسلمان کے لئے نصیحت اور یاد دھانی ہے۔

فاقصص القصص لعلہم یتفکرون۔ الاعراف (۱۷۶)

ان سے قصے بیان کرو تاکہ یہ لوگ غور کریں۔

یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم سورہ النساء (۲۶)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ (انبیاء وصلحاء) جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں کے طریقوں پر چلائے۔

تیسرا باب

قصص القرآنیہ

قرآن مجید میں ان قصوں کے درج ہونے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ہم ان واقعات سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اپنے لئے ان کو شمع ہدایت بنائیں۔ اور جو انبیاء اور صلحاء پہلے گذرے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر پوری کامیابی حاصل کریں۔ اور ہم ان کو صرف کہانیاں سمجھتے ہیں۔ اور کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ان قصص میں ہمارے لئے ایسی تعلیم موجود ہے کہ اگر ہم ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ انہیں اپنے پیش نظر رکھیں۔ اور ان پر عمل کریں تو دنیا کی بہترین قوم بن سکتے ہیں۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند قصص کی تعلیم کا کوئی کوئی حصہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو ہم صرف ایک حسن و محبت کا واقعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کو

قرآن مجید میں احسن القصص کہا گیا ہے۔ جس طرح ایک صاحب سے ان کو پورا شاہنامہ سنا چکنے کے بعد شاہنامہ کے کسی عمدہ شعر پڑھنے کی خواہش کی گئی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

منیژہ منم دخت افراسیاب × برہنہ تنم را نہ دیدآفتاب

یہی ہماری حالت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں علاوہ اس کے کہ اس میں رسول کریم صلعم کو آپ کے آئندہ واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے مثل ہونے والے تھے۔ کہ آپ کو آپ کے بھائی وطن سے علیحدہ کریں گے۔ اور وطن سے باہر جانے کے بعد دوسری جگہ آپ کو کامیابی ہوگی۔ اور اس کے بعد آپ کے بھائی قریش آپ سے معافی چاہیں گے۔ اور آپ ان کو معافی عطا کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲ علاوہ اس کے اس قصہ میں ان اخلاق کی تعلیم ہے۔ جس سے ایک شخص غلام کی حیثیت سے ترقی کر کے حکومت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت ایک غلام کے مصر میں داخل ہوئے۔ اور آپ کو عزیز مصر نے خرید لیا۔ یہ آپ کی پہلی حالت ہے۔ اس

درجہ سے حکومت تک پہونچنے کے لئے خاص طور پر ان اخلاق کی ضرورت ہے۔

جذبات پر قدرت۔ امانت۔ صحیح اصول کی پابندی میں دقتیں برداشت کرنا خواہ کچھ ہی حالت ہو۔ اپنا کام جاری رکھنا۔ پریشانیوں سے گھبرا کر اپنا کام نہ چھوڑنا۔ ان اخلاق کی تعلیم حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات سے اچھی طرح مل سکتی ہے۔ زلیخا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اس میں اپنے جذبات پر قدرت رکھنے اور آقا کی امانت میں خیانت نہ کرنے کی نہایت اچھی نظیر ہے۔ جس وقت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دھمکی دی۔

ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین	اور جس کام کرنے کو میں کہہ رہی ہوں۔ اگر اس کو نہیں کریگا۔ تو ضرور قید
سورۂ یوسف (۳۲)	کیا جائیگا۔ اور ضرور بے عزت بھی

ہوگا۔

تو آپ نے فرمایا۔

قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ۔	کہا اے میرے پروردگار جس حرکت کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہے۔ قید
سورۂ یوسف (۳۳)	

ہی میں رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے ۔ اپنے صحیح اصول کے خلاف عمل کرنیکی بجائے ۔ قید کی مشقتیں برداشت کرنا مجھ کو پسند ہے ۔ جس وقت آپ قید خانہ میں محبوس کئے گئے ۔ تو آپ نے وہیں قیدیوں میں تبلیغ شروع کر دی ۔ جیل خانہ میں آپ نے اس طرح تبلیغ شروع کی ۔

ما کان لنا ان نشرک باللہ	ہم کو شایان نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی
من شیء یا صاحبی السجن	چیز کو شریک بنائیں ۔ اے یاران محبس
ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ	بھلا دیکھو تو سہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا خدائے
الواحد القھار ۔۔ ان الحکم الا للہ	یگانہ زبردست ۔ تمام جہاں میں حکومت
امر الا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین	تو بس ایک اللہ کی ہے ۔ اور اس نے
القیّم ۔	حکم دیا ہے ۔ کہ صرف اسی کی پرستش
سورہ یوسف (۴۰-۳۹)	کرو یہی دین کا سیدھا رستہ ہے ۔

اپنے مقصد کو نہ چھوڑنے اور ہر حالت میں کام جاری رکھنے کیلئے خواہ آزادی ہو یا نہ ہو ۔ یہ نہایت عمدہ سبق ہے ۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام ایک اجنبی ملک میں غلامی کے درجے سے ترقی کر کے اس درجہ تک پہونچے ۔

کہ آپ نے فرمایا۔

رب قد آتیتنی من الملک — اے میرے پروردگار تو نے مجھے

سورہ یوسف (۱۰۱) — حکومت سے حصہ دیا۔

قصہ طالوت و جالوت طالوت اور جالوت کے قصے کو محض ایک واقعہ کی حیثیت دی جاتی ہے حالانکہ اس میں کام کرنے والوں کے لئے نہایت اعلیٰ درجے کی ہدایتیں موجود ہیں۔

کام کرنے کے لئے۔ افسر[1] کی ضرورت۔ افسر[2] کے صفات کہ علمی اور جسمانی دونوں قوتیں اس میں اعلیٰ درجے کی موجود ہونا ضروری ہیں۔ اور اس بات کی تردید کہ مالدار ہونا افسری کے لئے شرط ہے۔ افسر کی صفات کے علاوہ اس کے ساتھ کام کرنے والوں کی صفات کا بھی ذکر ہے۔ کہ لوگ آزمائش کے بعد منتخب شدہ ہوں۔ اس کے بعد ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ کامیابی کے لئے زیادتی تعداد لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر تعداد کم ہو لیکن لوگ ثابت قدم ہوں۔ اور مشکلات برداشت کرنے والے ہوں۔ اور جذبات پر قدرت رکھتے ہوں۔ تو کثیر جماعت پر غالب ہوں گے۔

الم تر الی الملاء من بنی — اے پیغمبر کیا تم نے بنی اسرائیل

اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا
لنبی لہم ابعث لنا ملکا نقاتل
فی سبیل اللہ ..... وقال لھم نبیہم
ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً
قالوا انّیٰ یکون لہ الملک علینا و
نحن احق بالملک منہ ولم یؤت
سعۃ من المال۔ قال ان اللہ
اصطفہ علیکم وزادہ بسطۃ
فی العلم والجسم ..... فلما فصل
طالوت بالجنود قال ان اللہ .....
مبتلیکم بنھر فمن شرب
منہ فلیس منی ..... فشربوا منہ
الا قلیلا منھم۔ فلما جاوزہو
والذین امنو معہ لا قالوا لا طاقۃ
لنا الیوم بجالوت وجنودہ۔ قال

کے سرداروں پر نظر نہیں کی۔ کہ ایک زمانہ
میں انہوں نے موسیٰؑ کے بعد اپنے وقت
کے پیغمبر سے درخواست کی تھی۔ کہ ہمارے
لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے۔ کہ ہم اس
کے سہارے اللہ کی راہ میں جہاد کریں
... اور اُن کے پیغمبر نے ان سے کہا۔ کہ
اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست کے
مطابق طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا
اس پر کہنے لگے۔ کہ اس کو ہم پر کیوں کر
حکومت مل سکتی ہے۔ حالانکہ اس سے
تو حکومت کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔
کہ اس کو مال و دولت کے لحاظ سے
بھی کچھ ایسی فارغ البالی نصیب نہیں
ہے۔ پیغمبر نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
تم پر حکومت کے لئے اس کو پسند

الذين يظنون انهم ملاقوا الله	فرمایا ہے۔ علم اور جسم میں اس کو بڑی
کم من فئة قليلة غلبت فئة	فراخی دی ہے۔۔ پھر جب طالوت فوجوں
كثيرة باذن الله والله مع الصابرين	سمیت اپنے قیام سے روانہ ہوا۔ تو
ولما برزوا لجالوت وجنوده قالوا	اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کہ
ربنا افرغ علينا صبرا وثبت اقدامنا	رستہ میں ایک نہر پڑے گی۔ اللہ
وانصرنا على القوم الكفرين ○ فهزموا	تعالیٰ اس نہر سے تمہارے صبر کی جانچ
باذن الله۔۔	کرنے والا ہے۔ جو اس کا پانی پی لیگا۔
سورۃ البقرہ (۲۵۱-۲۴۶)	وہ ہمارا نہیں۔ پس ان لوگوں میں سے

معدودے چند کے سوا سبھی نے تو اس سے پی لیا۔ پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اس کے ساتھ تھے۔ نہر سے پار گئے۔ اور جن لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی۔ کہنے لگے۔ کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کا دم نہیں ہے۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ اس کو خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ بول اٹھے۔ کہ اکثر ایسا ہی ہوا ہے۔ کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلہ میں آئے۔ تو دعا کی کہ اسے

ہمارے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے۔ اور جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ۔ اور کافروں پر ہم کو فتح دے۔ پھر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دشمنوں کو بھگا دیا ہے۔

میدان جنگ میں کامیابی کے لئے اس قصے میں خصوصیت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ اگر افسر اعلیٰ درجے کا ہو۔ اور اس کے ساتھ خدا سے تعلق رکھنے والے ثابت قدم۔ جذبات پر قدرت رکھنے والے اشخاص ہوں۔ تو پھر خواہ تعداد کم ہو۔ یہ کامیاب ہوں گے۔ عین حالت جنگ میں خدا سے دعا کرنے کا بھی ذکر ہے۔ جن حضرات پر مادیت کا رنگ غالب ہوگا۔ وہ خیال کرتے ہوں گے۔ کہ میدان جنگ میں روحانیت سے کیا تعلق۔ اس وقت تو صرف سامان حرب کی ضرورت ہے۔ ان کو یورپ کے ایک سپہ سالار کا قول آتا ہوگا۔ "God is on the side of heavier guns" "خدا بھاری توپوں کی طرف ہوتا ہے۔"

لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ خود یورپ جو مادیت کا مرکز ہے۔ ایسی مادیت کو خیر باد کہہ رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ جرمن کے مشہور جرنیل وان برن ہارڈی نے اپنی کثیر الاشاعت کتاب "جرمنی دی نیکسٹ وار"

میں جو سنہ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی ہے صفحہ ۱۳۳ پر میدان جنگ میں کامیاب ہونے کے لیے وہی شرائط درج کئے ہیں۔ جو آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن مجید اس قصے کے ذریعہ سے بتلا چکا ہے۔ جرمنی نے فن حرب میں جو کچھ ترقی کی ہے۔ اس کو مدنظر رکھ کر جب یہ خیال کیا جاوے۔ کہ اس کے قابل ترین جرنیل کامیابی کے لیے آج بھی وہی اصول بہترین سمجھتے ہیں۔ جو صدیوں پیشتر قرآن مجید کے ذریعہ سے شائع ہوئے ہیں۔ تو کچھ اندازہ قرآن کی تعلیم کے متعلق ہو سکتا ہے۔ جرنیل وان برن ہارڈی لکھتے ہیں۔

''But within certain limits, which are laid down by the law of numbers, the true elements of superiority under the present system of gigantic armies are seen to be spiritual and moral strength and larger masses will be beaten by a small welled and self-devoting army.''

لیکن ایک حد تک، جو کہ قانون اعداد سے وابستہ ہے۔ اس زمانے کی بیشمار افواج کے نظام میں فوقیت کے حقیقی عناصر روحانی اور اخلاقی قوتیں ہیں اور بہت بڑی تعداد والی فوج ایک قلیل تعداد والی عمدہ اور صابر افسر رکھنے والی اور جانباز فوج سے شکست کھا جائے گی۔

اس موقعہ پر میں یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ یورپ کی مادیت نے ہمارے بعض حضرات پر ایسا اثر کیا ہے۔ کہ اس سے متاثر ہو کر وہ حضرات بعض اسلامی باتوں میں تاویل کرنے لگے۔ مثلاً حصول مقصد کے لئے دعا کو بھی منجملہ ذرائع کے ایک ذریعہ سمجھنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ فرشتوں کے متعلق کہا گیا۔ کہ بذات خود ان کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ بلکہ مختلف قوتوں کو فرشتوں کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ بعض حالات میں جو اجازت تعدد ازدواج کی ہے۔ اس کی بھی ممانعت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ اطمینان بخش بات ہے۔ کہ آہستہ آہستہ خود یورپ اور امریکہ کے فاضل اسلامی خیالات کے پیرو ہوتے جاتے ہیں۔

جنگ عظیم کے دوران میں جس وقت بحر شمالی میں انگلستان کے جنگی جہاز جرمن جہازوں سے سرگرم پیکار ہوئے۔ تو بذریعہ تار گرجا گھروں کو اطلاع دی گئی۔ کہ لوگوں کو جمع کر کے فوراً خدا سے کامیابی کے لئے دعا شروع کر دی جائے۔ اس سال قیصر جرمنی کی سالگرہ کے موقعہ پر کوئی جشن پہلے جیسے نہیں کئے گئے۔ بلکہ ہدایت کی گئی تھی۔ کہ تمام دن محض دعا کی جائے۔

فرشتے ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ خود یورپ میں بھی آج کل دعا کو کس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔ سر آلیور لاج۔ ڈی۔ ایس سی۔ ایل ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ پرنسپل برمنگھم یونیورسٹی، پریذیڈنٹ ایسوسی ایشن ان سائنس اپنے مضمون "کیا موت کے بعد زندگی ہے"؟ میں جو دسمبر ۱۹۱۴ء کے ریویو ان ریویوز میں شائع ہوا ہے۔ فرشتوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

"We here on this planet are limited in certain ways and are blind to much that is going on, but I tell you that we are surrounded by beings working with us. All that which religions tell us that angels

ہم اس سیارہ (زمین) میں بعض حیثیتوں سے محدود حالت میں ہیں۔ اور گرد و پیش جو کچھ ہو رہا ہے اس میں سے بہت سے حصے ہمیں نظر نہیں آتے لیکن میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ ہم ایسی ہستیوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ جو کہ ہمارے ساتھ کام کرتی رہتی ہیں۔ میرا یقین ہے کہ جیسا کہ مذاہب

are with us is, I believe literally true that is why I say that man is not alone. That is why I say that I know he is surrounded by intelligences. and I tell you that there are higher intelligences to which we are as ants. Our senses give us certain information. But it is very limited we

ہمیں بتلاتے ہیں۔ فرشتے ہمارے
ساتھ ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ اسی
لئے میں کہتا ہوں کہ انسان تنہا
نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں
کہ میں جانتا ہوں کہ وہ روحانی
ہستیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور
میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اعلیٰ روحانی
ہستیاں موجود ہیں۔ جن کے مقابلہ میں
ہم چیونٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔
ہمارے حواس خمسہ ہم کو بعض
معلومات بہم پہونچاتے ہیں۔ لیکن
یہ بہت محدود معلومات ہوتی ہیں۔
اگر صرف ہمارے حواس ہی موجود
ہوتے۔ تو ہم عالم کی تحقیقات اچھی
طرح سے نہ کر سکتے لیکن ان حواس کو

could not explore the Universe very well if we only had our senses. We increase them, we add to them by instruments of all kinds, microscopes, telescopes and so on are additions to our senses and so we learned more. But aided however much they may be the senses, tell us still only a little and

ہم ترقی دیتے ہیں۔ اور ہر قسم کے آلات کے ذریعے سے ان میں اضافہ کرتے ہیں۔ خوردبین اور دوربین وغیرہ ہمارے حواس کی قوتوں میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ اور اس طریقہ سے ہم زیادہ علم حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن گو ان حواس کو کتنی ہی مدد دی جائے یہ ہمیں بہت ہی کم اطلاعیں بہم پہونچاتے ہیں۔ اور کثرت سے ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے ہم ابھی تک محض ناواقف ہیں۔ بایں ہمہ ان میں سے بعض سے ہمارا تعلق ہے۔ لیکن یہ تعلق ہمارے حواس کے ذریعہ سے نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم صرف جسم نہیں ہیں۔ ہم نفس ناطقہ۔ وجدان

there are a multitude of things of which at present we are in complete gnorance and yet with some of the things we are in touch not through our senses, for we are not body alone. We are mind consciousness and souls as well. And with some of these higher intelligences men has in-

اور روح بھی ہیں ، اور بعض اعلیٰ روحانی ہستیوں سے انسان کا تعلق ایسے ذرائع سے ہے جو کہ جسمانی اعضا سے وابستہ نہیں ہے۔

tercourse and connection through channels other than those of the bodily organs."

اور روح بھی ہیں اور بعض اعلےٰ روحانی ہستیوں سے انسان کا تعلق ایسے ذرائع سے ہے جو کہ جسمانی اعضاء سے وابستہ نہیں ہے۔

تعدد ازدواج امریکی مقنن کی نظر میں

تعدد ازدواج کے متعلق امریکہ کے مقنن اور جرنلسٹ مسٹر ہنری ڈاکر تازہ رسالہ دی فارم میں فرماتے ہیں۔

تحریک نسوانی کا حقیقی مطمح نظر

" The true goal of the feminist movement is polygamy legallised regulated by the state respectable and moral. The experiment of

ایسا تعدد ازدواج (ایک سے زیادہ بیویاں ہونا) ہے۔ جو قانون ہو اور سلطنت کے ذریعہ سے اس کا انتظام ہو اور مبنی بر اخلاق حسنہ ہو۔ وحدت ازدواجی (ایک بیوی ہونا) کے

theoratically strict monogamy has never been a success. It has never existed as an actual condition at any period of the history of the world, and does not exist today.	سخت اصول کا تجربہ کبھی کامیاب نہیں ہوا ۔ اور دنیا کی تاریخ کے کسی حصہ میں اس کا وجود بحیثیت واقعہ حقیقی نہیں رہا ۔ اور نہ آج اس کا کہیں وجود ہے ۔

بازاری عورت کا المناک مگر روزمرہ کا مشاہدہ ہی تنہا اس کا کافی ثبوت ہے ۔ اگرچہ اب تک ازراہ مروت اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے ۔ اس کا وجود فقط اسی حالت میں غائب ہو سکتا ہے جب کہ انسانی فطرت بالکل بدل جائے ۔ اور یا پھر مرد عورت کے باہمی تعلقات ایسے طریقوں سے بدل جائیں ۔ جو وحدت ازدواجی کی نسبت ممکن تر اور عقل کے زیادہ مطابق ہوں ۔ یہ پیشنگوئی کی جا سکتی ہے ۔ کہ تعداد ازدواج کا قانونی طریقہ سے دوبارہ اجرا ر طلاق کے کم کرنے میں بہت زیادہ موثر ہوگا کیونکہ اس کی وجہ سے

بعض غیر معمولی مناقشے اور نزاعات جو موجودہ وحدت ازدواجی کے اصول اور اس کے ناقص حالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں وہ جاتے رہیں گے۔

اس موقعہ پر ان چند مسائل کے ذکر کرنے سے میری غرض یہ ہے۔کہ اسلامی تعلیم کا وہ نہایت قلیل حصہ بھی جس کے متعلق یہ سمجھا گیا تھا۔کہ یورپ کی مادیت کی تہذیب سے رنگے ہوئے مسلمان اسے قبول نہ کرسکیں گے (اور غالباً اس لئے اس میں تاویلیں شروع کردی گئی تھیں) اس قدر فطرت کے مطابق ہے۔کہ تجربہ کے بعد آخر کار اس کے سخت ترین مخالف بھی اسکے پیرو ہونے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے فاضلوں کے یہ اقتباسات میں ان باتوں کی صحت کے لئے بطور استدلال کے پیش نہیں کررہا ہوں۔کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

قصہ حضرت ابراہیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں یہ تعلیم ہے۔کہ چاہے اپنے نہایت عزیز رشتہ دار اور ساری دنیا اپنے خلاف ہو جائے۔مگر خدا کے احکام کی پیروی ہرگز نہ چھوڑے۔اور اپنے صحیح مقصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔خواہ کتنی ہی مشکلات برداشت کرنا

کیوں نہ پڑیں۔ اور کتنی ہی قربانیوں کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ تیر خدا کے احکام کی تعمیل کا نمونہ جناب نے پیش کیا ہے ۔کہ اپنے بیٹے تک کی قربانی کیلئے تیار ہو گئے۔

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم
والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآؤ منکم
ومما تعبدون من دون اللہ، کفرنا بکم و بدا
بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء ابدًا
حتی تومنوا باللہ وحدہٗ

الممتحنہ (۴)

مسلمانو! ابراہیمؑ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، (یعنی مسلمان اسوقت کے) پیروی کرنے کیلئے تمہارے لئے انکا ایک اچھا نمونہ ہو گذرا ہے ۔جب کہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا ۔کہ ہم کو تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو۔ کچھ بھی سروکار نہیں ہے ۔ہم تم لوگوں کے عقیدے کو بالکل نہیں مانتے ۔ اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی قائم ہو گئی ہے ۔اور یہ دشمنی تو ہمیشہ کیلئے رہے گی۔ جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بات کو پوری طرح سمجھایا لیکن جب وہ مقصد کے
مخالف رہا۔ تو آپ نے اس سے بھی قطع تعلق کیا۔

اذ قال لابیه یابت لم تعبد ما لا
یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنك شیئا...
قال اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم
لئن لم تنته لارجمنك واھجرنی ملیا
قال سلام علیك ساستغفر لك ربی
انه کان بی حفیا ... واعتزلکم وما
تدعون من دون الله وادعو ربی ،
سورۃ مریم (۴۵ - ۴۸)

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا۔
اے باپ آپ کیوں بتوں کی پرستش کرتے ہیں
جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپکے
کچھ کام آسکتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کے باپ نے
کہا کہ کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا
ہے۔ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہیں آئیگا
تو ضرور میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور
اپنی خیر چاہتا ہے۔ تو میرے سامنے سے
دور ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا تیری سلامتی رہے۔ میں تیرے گناہ بخشواؤنگا۔ اپنے
رب سے بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے۔ اور میں نے تم بت پرستوں کو اور
اور تمہارے ان بتوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ سب کو چھوڑا اور
اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کو آپ کی قوم نے کہا

فما كان جواب قومه الا ان — ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا اسکے سوا
قالوا اقتلوه او حرقوه۔ — کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ کہ کہنے لگے کہ اس
سورۃ العنکبوت (۴۷ ۲) — کو مار ڈالو۔ یا جلا دو۔

لیکن آپ برابر ثابت قدم رہے۔ اور اپنا کام کرتے رہے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب کیا۔ اور سب مصیبتوں سے نجات دی۔

قصہ حضرت نوحؑ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کو ہم صرف طوفان نوح کے حالات سے مخصوص کرتے ہیں۔ اور فقط اس پر بحث ہوتی ہے۔ کہ پانی کسقدر برسا تھا۔ اور کہاں کہاں طوفان کا اثر پہونچا تھا۔ اور کہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ حالانکہ ان واقعات سے استقلال سے مسلسل عرصہ دراز تک کام کرنے کی اور اپنے مقصد کیلئے بڑی سے بڑی قربانیاں کرنے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ رشتہ دار اگر اچھے عمل نہ کرتے ہوں۔ اور مقصد کے خلاف ہوں تو انسے تعلق نہ رکھا جائے۔ وہ رشتہ دار ہی نہیں۔ حضرت نوحؑ خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

قال رب انی دعوت قومی لیلا — خدا سے عرض کیا۔ کہ اے میرے
ونهارا فلم یزدهم دعائی الا فرارا ○ — پروردگار میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو
وانی کلما دعوتهم لتغفر لهم — رات کے وقت بھی بلایا اور دن کیوقت

جعلوا اصابعهم فی اذانهم و	بھی بلایا۔ تو میرے بلانے کا ان پر یہی اثر
استغشوا ثیابهم واصروا واستکبروا استکبارا ه	ہوا کہ جتنا زیادہ بلایا اتنا ہی زیادہ بھاگے۔
ثم انی دعوتهم جهارا ه ثم انی	اور جب میں نے انکو بلایا کہ میری طرف
اعلنت لهم واسررت لهم اسرارا ه	رجوع ہوں۔ اور تو انکے گناہ معاف فرمالے
سورۃ نوح (۵-۹)	تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں

اور اوپر سے اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ضد کی۔ اور شیخی میں اکڑ اکڑ بیٹھے۔ پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا۔ اور ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور پوشیدہ بھی سمجھایا۔

عرصہ دراز تک آپ نے مسلسل رات دن کام کیا۔ اور ہر ممکن صورت سے کہا۔ یہ نہیں کہ تھوڑے زمانے تک کام کرکے بیٹھ رہے۔ جس وقت کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا غرق ہو رہا تھا۔ تو آپ نے دعا کی:۔

ونادی نوح ربه فقال رب ان ابنی	نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض
من اهلی وان وعدك الحق وانت احكم	کیا۔ کہ اے میرے پروردگار میرا بیٹا بھی میرے
الحاكمین ه قال یا نوح انه لیس من اهلك	اہل وعیال میں داخل ہے۔ اور جو تو نے وعدہ
انه عمل غیر صالح فلا تسئلن	فرمایا تھا۔ وہ سچا ہے۔ اور سب سے بڑا حاکم ہے۔
ما لیس لك به علم انی اعظك	خدا نے فرمایا کہ اے نوحؑ! تمہارا بیٹا تمہارے سے

ان تکون من الجاھلین قال رب انی اعوذ بك ان اسئلك ما لیس لی بہ علم والّا تغفرلی وترحمنی اکن من الخاسرین ۵
سورہ ھود (۴۷ - ۴۵)

اہل و عیال میں داخل نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ تو جس چیز کی حقیقت کا تمہیں حال معلوم نہیں۔ ہم سے اس کی درخواست نہ کرو۔ ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں۔ کہ نادانوں کی سی باتیں نہ کرو۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں کہ جس کی حقیقت حال مجھے معلوم نہیں ہے۔

آپ کا بیٹا اور بیوی دونوں غرق ہوگئے۔ لیکن آپ نے یہ قربانی برداشت کی لوگوں نے آپ سے کہا:۔

قالوا لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین
سورہ الشعراء (۱۱۵)

وہ بولے۔ نوحؑ! اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے۔ تو ضرور سنگسار کر دئے جاؤ گے۔

اور یہ کہا:۔

ما ھذا الا بشر مثلکم یرید ان

یہ بھی تم جیسا آدمی ہے اور تم سے

یتفضّل علیکم.....ان ھو الا رجل بہ جنّۃ ـــ برتر ہونا چاہتا ہے۔۔ بس یہ ایک آدمی ہے جسکو جنون ہو گیا ہے۔

سورہ المؤمنون (۲۳-۲۴)

لیکن آپ نے نہ کسی دھمکی اور نہ کسی طعنے کی پرواہ کی اور برابر کام میں مصروف رہے یہاں تک کہ آپ کے مخالف تباہ ہو گئے۔

قصہ حضرت موسیٰؑ

حضرت موسیٰؑ کے قصے کو ہم چند معجزات میں محصور کرتے ہیں اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ کہ آیا جسوقت حضرت موسیٰؑ نے بحیرۂ قلزم عبور کیا تو معجزہ کی وجہ سے پانی پھٹ کر علیحدہ علیحدہ ہو گیا۔ اور خشکی نکل آئی۔ یا معجزہ کچھ نہ تھا۔ صرف مدو جزر تھا۔ اپنی ساری توجہ صرف انہیں باتوں میں صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ اس میں تعلیم ہے۔ اپنی قوم کو انتہائی ذلت اور ظلم سے نکالکر ترقی کے اعلیٰ درجہ پر پہونچانیکی۔ بنی اسرائیل ایسی ذلیل حالت میں تھے۔ کہ انکے حاکم انکے بیٹے ذبح کرتے تھے۔ اور انکی بیٹیاں اپنی خدمت کیلئے زندہ رکھتے تھے۔ نیز اسمیں تعلیم ہے۔ ان اوصاف کی جن کے ذریعہ سے ایسی ترقی ممکن ہے۔

اللہ تعالےٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے۔ کہ تم اور تمہارے بھائی (تم دونوں) فرعون کے پاس جاؤ:-

اذھبا الی فرعون انہ طغیٰ ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔

فاتیٰہ فقولا انا رسول ربک ۔ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے (غرض)

فارسل معنا بنی اسرائیل ولا ۔ اس کے پاس جاؤ اور جا کر کہو کہ ہم دونوں

تعذبھم ۔ تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے

سورہ طٰہٰ (۴۳-۴۷) ۔ ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ

رخصت کر دے۔ اور ان کو عذاب نہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ اپنی قوم کو گزشتہ ایام کی قوموں کے عروج و زوال کے حالات سے مطلع کرو۔ اور اس طرح ان کو متنبہ کرو۔

سورہ ابراہیم میں فرمایا ہے۔ ۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیتنا ۔ دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالکر

ان اخرج قومك من الظلمٰت ۔ روشنی میں لاؤ۔ اور ان کو خدا تعالےٰ

الی النور۔ وذکّرھم بایّام اللہ ۔ کے دن یاد دلاؤ۔ کیونکہ ان میں ہر ایک

ان فی ذلك لآیات لکل صبار ۔ صبر و شکر کرنے والے کے لیے

شکورہ سورہ ابراھیم (۵) ۔ نشانیاں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ص۳ میں تذکیر بایام اللہ کے یہ معنی درج فرماتے ہیں "یعنی بیان وقائع کہ آں را خدا تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین وتعذیب مجرمین"

سورہ یونسؑ میں ارشاد ہوتا ہے۔

واوحینا الی موسیٰ واخیہ	ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی،
ان تبوّآ لقومکما بمصر بیوتا	طرف وحی بھیجی۔ کہ مصر میں اپنے لوگوں،
واجعلوا بیوتکم قبلۃ واقیموا	کے رہنے کے لئے گھر بنالو۔ اور اپنے
الصلوٰۃ وبشر المومنین۔	گھروں کو مسجدیں قرار دو۔ اور نمازیں پڑھو
سورہ یونس (۸۷)	اور اے موسیٰؑ ایمان والوں کو خوشخبری دو۔

(کہ اب تمہاری نجات کا وقت قریب آگیا ہے)

ایک مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے "گزشتہ اقوام کے عروج وزوال کی تاریخ اور کامیابی کی پوری امید" جو کچھ کر سکتی ہیں اسکو اس زمانہ کی اقوام نے اچھی طرح سے محسوس کر لیا ہے۔

جس وقت فرعون کے ساحر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ تو فرعون نے ان سے کہا:۔

فلاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم۔ سورہ طٰہٰ (۷۱)

ہم تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹے سیدھے کاٹیں جائیں گے اور تم سب کو سولی دیں گے۔

تو انہوں نے جواب دیا:۔

فاقض ما انت قاض۔ سورہ طٰہٰ (۷۲)

جو کرنیوالا ہے کر گذر۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھی اپنے اصول اور مقصد کی تکمیل کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہتے۔ اس طرح ان کو کامیابی ہوئی۔ اور ان کے دشمن تباہ ہو گئے۔ نیز حضرت موسٰی علیہ السلام کے قصّے میں قومی اتفاق پر بہت زور دیا ہے۔ جس وقت حضرت موسٰی علیہ السلام کوہ طور پر گئے۔ اور اپنا جانشین حضرت ہارون علیہ السلام کو کر گئے۔ تو ان کی قوم میں گوسالہ پرستی شروع ہو گئی۔ جس وقت حضرت موسٰی علیہ السلام نے یہ حالت واپس آکر دیکھی تو نہایت ناراض ہوئے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا:۔

قال یاھارون ما منعک اذ رایتہم ضلوا الا تتبعن افعصیت امری۔

سورہ طٰہٰ (۹۱-۹۲)

اے ہارون علیہ السلام جب تم نے ان کو دیکھا۔ کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ تم کو کیا وجہ مانع ہوئی کہ تم نے میری ہدایت

کی پیروی نہ کی۔ کیا تم نے میری حکم عدولی کی؟ یعنی جب وہ گمراہ ہو رہے تھے۔ تو
تم نے بزور ان کو کیوں نہ روکا؟ تو حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا:۔

قال یبنؤم لا تاخذ بلحیتی ۔۔ کہا اے میرے ماں جائے بھائی!
ولا براسی انی خشیت ان ۔۔ میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو پکڑ و
تقول فرقت بین بنی اسرائیل ۔۔ نہیں۔ میں اس بات سے ڈرا کہ تم واپس
سورہ طہ (۹۴) ۔۔ آکر یہ کہنے لگو۔ کہ تم نے بنی اسرائیل میں
پھوٹ ڈال دی۔

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو جب اپنی اصلاح کی کوششوں میں کامیابی
نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کی عارضی گمراہی کو پسند کیا۔ بجائے اس کے کہ آپ
اس کو روکنے کے لئے ایسی پر زور کوشش کرتے جس سے قوم کے
ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

ایک پیغمبر نا اتفاقی کے مقابلہ میں قوم کا عارضی گمراہی میں رہنا پسند کرتا ہے
اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جب تک قوم متفق رہتی ہے۔ اس وقت تک تعلیم وغیرہ
اثر کر کے عمدہ نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اور جب نا اتفاقی سے قوم کے ٹکڑے
ٹکڑے ہو جائیں تو پھر وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ اور کسی طریقے سے کامیاب

نہیں ہوتی۔

اب ظاہر ہے۔ کہ قرآن کے ایک حصے کے تو ہم نے معنی بدل دیے ایک حصہ ہم نے بھلا دیا۔ اور ایک حصہ کی تعلیم کو ہم نے کہانیوں کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور اس سے ہم مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ تو پھر کونسی تعجب کی بات ہے۔ کہ اب قرآن سے وہ نتیجے پیدا نہیں ہوتے۔ جو ہونے چاہئیں۔ اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں ہو چکے ہیں۔

چوتھا باب

قرآنی تعلیم کو کمزور کرنے کی منظم سازش

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی تعلیم کے کمزور کرنے کی جو کوششیں ہوئی ہیں۔ انکے بارہ میں امام عبدہ مصری کی رائے نقل کی جائے۔ علامہ موصوف اپنی کتاب "الاسلام والنصرانیت" میں ص ۱۱۳ پر مسلمانوں کے جمود اور اس کے اسباب کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس کے بعد ایک خلیفہ نے سیاسی غلطی کی۔ اور اسلامی احکام کی وسعت کے باعث اس کو اس امر کا موقعہ مل گیا جس کو وہ اپنے خیال میں اپنے لئے بہتر سمجھتا تھا۔ اس کو خیال ہوا کہ عربی لشکر ممکن ہے۔ کہ علوی خلیفہ کا مددگار بن جائے۔ کیونکہ علویوں کو نبوت کے گھرانے سے زیادہ تعلق تھا۔ اس نے ترک اور دیلم وغیرہ جیسے اجنبیوں کی ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ انہیں اپنی طاقت سے فرمانبردار اور اپنے احسان سے اپنا مطیع رکھ سکے گا۔

وہ سلطنت کے باغیوں کی مدد نہ کرے گی۔ اور جو طالب ملک ہیں۔ ان کی مددگار نہ ہوگی۔ اور اسلامی احکام کی وسعت اور سہولت نے اس امر کو اس کے لئے جائز رکھا۔ اور اسلام بدل کر عجمی ہوگیا۔

ایک عباسی خلیفہ نے ارادہ کیا۔ کہ وہ اپنی ذات اور جانشینوں کے لئے بہتری پیدا کرے۔ اس طرح پر اس نے اپنی قوم اور مذہب کے لئے برائی کی۔ اس نے اجنبیوں کی فوج میں اضافہ کیا۔ اور عجمی سر لشکر مقرر کئے صبح سے شام نہ ہونے پائی تھی۔ کہ یہ سرداران لشکر خلفاء پر قابض ہوگئے۔ اور سلطنت خلفاء کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں کے قبضہ میں آگئی۔ ان لوگوں کو وہ عقل نہ تھی۔ جو اسلام سے پہنچ چکی ہو۔ اور نہ وہ دل تھا۔ جو مذہب سے مہذب ہو چکا ہو۔ یہ لوگ جہالت اور ظلم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کو کپڑوں کی طرح اپنے جسم پر اوڑھ لیا۔ کوئی اثر اس کا ان کے وجدان میں نہیں پہونچا۔ ان میں سے اکثر لوگ اپنے معبودوں اور بتوں کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ جن کی خلوت میں پرستش کرتے۔ اور اعلانیہ طور پر اپنا اقتدار بڑھانے کی غرض سے باجماعت نمازیں ادا کرتے۔ اس کے بعد تاتاریوں وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا۔ اور بعض لوگ اسپر قابض بھی ہوگئے۔ مگر

یہ تمام حملے علم کے شدید ترین حملے کے مقابلہ میں ہیچ تھے۔ جو لوگوں کو ان کا ترجمہ بتلانے والا اور ان کے چال چلن کی خرابیوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔

انہوں نے علم اور اس کی دولت اسلام پر حملہ کیا۔ اور اپنے مددگاروں کی جماعت کو آمادہ کیا۔ کہ وہ علماء کے زمرہ میں داخل ہو جائیں۔ اور علم کا لباس پہن لیں۔ اور اہل علم میں شمار ہونے لگیں۔ اس کے بعد عوام الناس میں ایسی مذہبی باتیں پھیلائیں۔ کہ علم سے ان کو نفرت ہو۔ اور طلب علم سے ان کے نفوس میں بعد پیدا ہو۔ پرہیزگاری اور مذہبی حمایت کے مدعی ہو کر یہ لوگ ان غافلوں میں داخل ہوئے۔ اور دعوےٰ کیا۔ کہ مذہب ناقص تھا۔ ہم اس کو کامل کرنا چاہتے ہیں۔ یا وہ مریض تھا ہم اس کا علاج کرتے ہیں۔ یا منہدم ہونے والا تھا۔ ہم اس کو سہارا دیتے ہیں۔ یا جھک چکا تھا۔ ہم اس کو سیدھا کر رہے ہیں۔

انہوں نے اپنے بت پرستی کے زمانے کی رسموں کو دیکھا۔ اور نیز اپنے گرد و پیش کی دوسری قوموں پر نظر ڈالی اور اسلام کے لئے ایسی باتیں عاریۃً لیں۔ جن سے وہ بری ہے۔ لیکن وہ عوام الناس کو مطمئن کرنے میں اس طرح کامیاب ہوئے۔ کہ یہ شعائر اسلام کی تعظیم ہے۔ اور

اس کے احکام کی۔

انہوں نے ہمارے لئے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کئے۔ علماء اور اولیاء وغیرہ کی عبادت ہمارے لئے مقرر کی جس سے اسلامی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور لوگ گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے قرار دیا کہ متاخر کو سوائے اس کے جو متقدم کہہ چکا ہو۔ اور کوئی بات کہنے کا حق نہیں۔ یہ امر عقائد میں داخل کر لیا گیا۔ تاکہ فکر ساکن اور عقول منجمد ہو جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مددگاروں کو اسلامی ممالک کے اطراف میں بھیجا۔ تاکہ وہ ایسے قصوں اور خبروں اور ایسے راویوں کی اشاعت کریں جس سے عوام الناس کو اطمینان ہو جائے۔ کہ ان کو پبلک کاموں میں غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

۶۔ جو کام قوم اور سلطنت سے متعلق ہیں۔ ان پر غور کرنا صرف حکام کا فرض ہے اور دوسرے آدمیوں کو اُن میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو شخص ان معاملات میں دخل دیتا ہے۔ وہ واہی ہے۔ مسلمانوں کے اعمال میں جو فساد اور ان کے حالات میں جو درہمی و برہمی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ حکام کے کاموں کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ نتیجہ ہوتا ہے۔ ان اخبار کا جو آخری زمانہ کی نسبت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اور کسی تدبیر سے اصلاح حال و استقبال کی توقع نہیں ہو سکتی۔

بہتر یہ ہے۔ کہ اس کو خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ صرف اپنی ذاتی حالت پر اقتصار کریں۔ احادیث کے بعض ظاہری الفاظ سے ان کو اپنے اس مطلب کے لئے کچھ مدد ملے گی۔ اور ضعیف حدیثوں اور موضوعات میں ان کو بہت سامان مل گیا جس سے ان اوہام کے پھیلانے میں اُن کو بڑی تقویت ملی۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا۔ شہر بہ حاکموں اور والیوں نے تمام اطراف میں ان کی مدد کی۔ ارادوں کے پست کرنے اور ہاتھوں کو کاروبار سے روکنے کے لئے مہدی کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔ اس خرافات کو قبول کرنے کے لئے نفوس کو آمادہ کرنے والی سب سے بڑی محرک سادہ لوحی تھی۔ اور مذہبی امور میں ضعف بصیرت اور خواہشات کا اتباع یہ ایسے امور ہیں۔ کہ جب جمع ہو جاتے ہیں۔ تو مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر حق و باطل کی تاریکی میں چھپ گیا۔ اور انسانی نفوس میں وہ عقائد راسخ ہو گئے جو دینی اصول کے بالکل اور بخط مستقیم متضاد تھے۔ مسلمانوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی امیدیں غارت ہو گئیں اور ان کو مایوس کر کے بہائم کے درجہ تک پہونچا دیا۔ اس وقت جس کا نام اسلام رکھا جاتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ اسلامی اعمال نماز

روزہ حج کی ظاہری صورتوں کا مجموعہ ہے

چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تغیر و تبدل کر لیا گیا ہے۔ اور جن کا نتیجہ وہ بدعتیں اور خرافات ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں اس جمود کی نوبت پہونچا دی ہے۔ جس کو میں نے بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کو اسلام سمجھا ہے۔ مسلمانوں پر اس وقت اسلام کے نام سے جو عیب لگایا جاتا ہے۔ اس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے۔ جس کا نام انہوں نے اسلام رکھ لیا ہے۔ قرآن جس کی شان یہ ہے۔ (کہ باطل نہ تو اس کے آگے سے ہی اس کے پاس پھٹکنے پاتا ہے۔ اور نہ اس کے پیچھے کیطرف سے وہ حکمت والے، تعریف کئے گئے۔ خدا کا اتارا ہوا ہے) اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور اس سے غافل ہیں۔ اور اس کے احکام سے اعراض کرنے والے ہیں۔

پانچواں باب

مذہب مسلمانوں کی ترقی کا زینہ

ہمارے مذہب کی تو یہ حالت ہے۔ اور ہماری مذہبی تعلیم اس طریقہ سے مسموم ہو چکی ہے۔ تو پھر جب تک ہمیں صحیح مذہبی تعلیم نہ ملے۔ ہم کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟ میرا عقیدہ ہے۔ کہ مسلمانوں کا سنگ بنیاد مذہب ہے۔ بغیر مذہب کے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حقیقی قومی ترقی کے لیے جس ایثار اور قربانی کی ضرورت ہے اس کے سنگ بنیاد صرف دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اور تاریخ عالم شاہد ہے۔ کہ ہمیشہ قوموں کی ترقی میں انہی دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ یا تو "مذہب" یا "حب وطن" "مذہبی جذبہ" کے مقابلہ میں "حب وطن" کا جذبہ مسلمانوں میں بہت ہی کمزور ہے۔ اور اس لیے مسلمان صرف مذہب سے ہی متاثر ہو کر حقیقی ترقی کی شاہراہ پر قدم زن ہو سکتے ہیں۔ ہمارے نامور قومی مورخ اور شاعر (یعنی شبلی مرحوم) نے اسی مسئلہ کی توضیح

کی ہے :-

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو
وہ یہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار

یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں
کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہم رنگ شرار

ہے یہ وہ قوتِ پُر زور کہ جس کی ٹکر
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشتِ غبار

جس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیاد زمین
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوانِ کسریٰ میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں
جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریلِ امیں کے اسرار
یا کوئی جذبۂ ملک و وطن تھا جس نے
کر دیئے دم میں قوائے عملی بیدار
ہے اسی مئے سے ہر مستیٔ احرارِ وطن
ہے اسی نشہ سے یہ گرمیٔ ہنگامۂ کار

تجربہ بھی اس کا شاہد ہے۔ کہ ہماری تمام قوم صرف مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر پوری طرح کام کر سکتی ہے۔ جب یہ حالت ہے۔ تو یہ بات بدیہی ہے۔ کہ قومی ترقی کے پروگرام میں سب سے اہم جزو صحیح مذہبی تعلیم ہونی چاہیئے۔ اگر صحیح مذہبی تعلیم کا انتظام نہ ہوگا۔ تو نہ تو مسلمان اپنی ہستی قائم رکھ سکیں گے۔ اور نہ وہ ترقی کر سکیں گے۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کہ اب تک ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکا ہے۔ کہ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں تو کیا خود اپنے قومی سکولوں اور کالجوں میں ہی قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کر لیتے۔

قرآن کی تعلیم سے میری مراد یہ نہیں ہے۔ کہ بغیر مطلب سمجھے

قرآن مجید کے الفاظ دہرائے جائیں۔ مسلمانوں نے قرآن کی تعلیم کا کبھی یہ مطلب نہیں سمجھا۔ بعض حضرات نے اُس کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا کہ ہمارے طالب علموں کو یونیورسٹی کا نصاب فرصت نہیں لینے دیتا۔ میں خود اس بات کو جانتا ہوں۔ لیکن جتنا وقت سینکڑوں مشن سکولوں اور کالجوں کے مسلمان اور ہندو طالب علم بائیبل کے لیے دیتے ہیں۔ کیا اتنا وقت قرآن کی تعلیم کے لئے ہمارے قومی سکولوں اور کالجوں کے طالب العلم نہیں دے سکتے؟

مشن سکولوں اور کالجوں کے طالب العلم باوجود بائیبل کے لئے عموماً روزانہ وقت دینے کے امتحانات میں نہایت عمدہ طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ اور بائیبل کلاس کی وجہ سے کوئی شکایت سننے میں نہیں آتی۔ ایک تو وہ ہیں جو غیر مذہب کے طالب العلموں کو روزانہ بائیبل پڑھاتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں۔ کہ اپنے ہی قومی سکولوں اور کالجوں میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

علی گڑھ کالج کے تین طالب العلم جو میرے دوست ہیں۔ اتفاق سے سنٹرل انڈیا کے ایک مشن کالج میں تعلیم پانے کی غرض سے گئے۔ جب امتحان کا زمانہ قریب ہوا اور روزانہ اسباق بند ہو گئے۔ تاکہ طالب علم پوری طرح سے امتحان کے لیے تیاری کریں۔ لیکن بائیبل کلاس روزانہ جاری رہی۔ خود پرنسپل صاحب بائیبل پڑھاتے تھے۔ ایک روز یہ تینوں حضرات پرنسپل صاحب کے پاس گئے۔ کہ اب امتحان بہت قریب آگیا ہے۔ اور دوسرے تمام گھنٹوں میں سبق نہیں ہوتا ہے۔ صرف بائیبل کلاس کی وجہ سے ہمیں کالج میں آنا پڑتا ہے۔ برائے مہربانی اس کو بھی ملتوی فرما دیجئے۔ تاکہ پوری طرح سے امتحان کے لئے تیاری کریں۔ تو پرنسپل صاحب نے جواب دیا کہ

"یہ تمام عمارتیں۔ تم سب طالب العلم۔ اور میں اور تمام پروفیسر فقط اسی گھنٹہ کی بدولت یہاں موجود ہیں۔ اگر یہ گھنٹہ نہ ہو۔ تو یہ کالج بھی نہ ہو"۔

اگر ہم صرف اس واقعہ کی تقلید کر سکیں۔ تو پھر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اپنے طالب العلموں کو قرآن مجید کی تعلیم تو دی نہیں جاتی۔ اور

مستلزم ہوتے ہیں۔ کہ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے قوم کو ترقی ہو۔ عروج ہو۔ یہ بیہودہ ہے۔ اور اگر ان بیچاروں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو ان پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

سخت ضروری ہے۔ کہ کم از کم اپنے قومی سکولوں اور کالجوں میں تو بہت جلد قرآن مجید کی صحیح تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے انتظام میں سب سے اہم حصہ عمدہ پروفیسروں کا تیار کرنا ہے۔ اور ان کا انتخاب ہے۔ راقم اس بارے میں اگرچہ کانفرنس ۱۹۱۳ء کے لیکچر میں جو کانفرنس کی رپورٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ میں کافی بحث کر چکا ہوں۔ جب قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام ہو چکے تو اس کے بعد قومی ترقی کا نام لینا جائز ہوگا۔

خدا تعالےٰ ہم کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔